

## قرآن و سنت کا اتباع

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا  
مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ [الأعراف: ۳]

”اس کے پیچھے چلو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور  
اس کے سوا اور دوستوں کے پیچھے مت چلو، بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔“

## کیا الحاد تقاضائے فطرت ہے؟..... (۲) آخری

دوسرے نکتہ الحاد کی وضاحت اس طرح ہے کہ خدا پرستی انسان کی دہی ہوئی حالت اور خوف و ہراس کا نتیجہ ہے، اکثر و بیشتر گھٹے ہوئے ماحول کی بھی پیداوار ہوتی ہے۔ انسان نے جب یہ دیکھا کہ بہت حادثات ہوتے ہیں، طوفان آتا ہے، زلزلے رونما ہوتے ہیں تو اس نے گھبرا کر ان دیکھی طاقت کا وجود تسلیم کر لیا۔

مگر یہ بات بھی عقل سے لگتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ ہم اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خوف و ہراس کا اثر عارضی اور کسی فوری ناخوش گواری کا اظہار ہوتا ہے جب کہ اس سے پہلے سکون و اطمینان، خوشی اور انبساط اور شکر و سپاس کا جذبہ موجود ہونا لازم ہے، ہمیں کسی چیز کے چھن جانے کا غم اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ ہمارے پاس پہلے سے موجود رہی ہو، ہم اس چیز کے ضائع ہونے پر افسوس کریں گے جس کے ہم پہلے سے مالک رہے ہوں۔ ایسی صورت میں خدا پرستی و شکر و سپاس کے احساس کا نتیجہ ہونا چاہیے نہ کہ خوف و ہراس کا۔ ہم خدا کو نعم و رحیم کی حیثیت سے مانتے ہیں نہ کہ ظالم و جابر کی حیثیت سے۔ اگرچہ وہ غضب ناک بھی ہوتا ہے مگر اس کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔ اسے بھی ذہن میں رکھا جائے کہ زندگی میں صرف غم ہی نہیں ہوتا، خوشی بھی ہوتی ہے۔ یہاں طوفان و حوادث ہی نہیں آتے، جہنم کی بارشیں بھی ہوتی ہیں۔ ہمیشہ آندھیاں ہی نہیں چلتیں، سرور و تسکین کی نوازشیں بھی ہوتی ہیں۔ گلشن حیات میں صدائیں ہی نہیں دوڑتی، بہاریں بھی لوتی ہیں (بلکہ زندگی کا غالب پہلو سکون و سرور ہی ہے)۔ مگر اس لطیف حقیقت سے نتیجہ وہی شخص اخذ کر سکتا ہے جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ [ق: ۳۷] ”اس میں عبرت کا سبق ہے ہر اُس شخص کے لیے جو دل رکھتا ہو یا جو توجہ سے بات سنے۔“

تیسرے نکتہ الحاد کی تفصیل یہ ہے کہ انسان خدا پرستی کا سبق ماں باپ سے سیکھتا ہے، ماحول سے اٹھتا ہے۔ اور اگر کسی بچے پر اس طرح کی اثر اندازی نہ ہو تو وہ ہرگز خدا پرست نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک بچے کو لاشعوری کی حالت میں ایک ایسی جگہ چھوڑ دیا جائے جہاں اس کو مذہبی اور روحانی قسم کا کوئی احساس نہ ہو، نہ کسی خدا پرست سے سابقہ ہو تو وہ بڑا ہو کر نہ خدا کو جانے لگا اور نہ اس پر خدا پرستی کا ضبط سوار ہوگا۔ اور یہی احساس فطری بھی کہا جائے گا کیونکہ یہ ایسی حالت میں ہوگا جہاں بچہ اپنی فطرت کے ساتھ تنہا ہوگا۔

یہ بھی کوئی معقول بات نہ ہوئی۔ فرض کیجیے جس طرح بچہ خدا کو نہ دیکھنے اور خدا کے بارے میں کچھ نہ جاننے کی وجہ سے خدا کا منکر ہو جائے، اسی طرح وہ انسان کو نہ دیکھنے اور انسان کے بارے میں کچھ نہ جاننے کی وجہ سے انسانیت کا انکار کر دے، یا یہ کہہ دے کہ دنیا انسانوں سے خالی ہے تو کیا اس کا یہ احساس بھی فطری ہوگا؟ سچ کچ بتائیے کیا آپ اس کا اثبات کر دیں گے؟

پھر یہ کہ تارتخ بتاتی ہے کہ عہد رفتہ میں ایسا تجربہ ہو چکا ہے مگر اس کا نتیجہ انکار خدا کی صورت میں نہیں بلکہ اقرار کی صورت میں رونما ہوا اور خدا پرستی کی ناقابل فراموش یادگار بن گیا۔ آج بھی وہ تجربہ خدا پرستی کے فطری ہونے پر ایک مستحکم دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ نمرود وقت کے ایک بچاری آزر کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا۔ پیدا ہوتے ہی ماں نے اس کو آبادی سے دور ایک پہاڑی کے دامن میں لے جا کر اس کی فطرت کے حوالے کر دیا۔ بچہ اپنی عمر کی منزلیں طبعی رفتار سے طے کرتا رہا اور اس دوران کسی نے بھی اسے خدا کی تعلیم نہیں دی۔ بڑا ہونے پر بچے کی فطرت نے سوال کیا: میرا رب کون ہے؟ مجھے کس کی عبادت کرنی چاہیے؟ اس نے چاند کو حسین اور چمکتا ہوا دیکھ کر سمجھا کہ شاید یہ میرا رب ہے۔ جب وہ ڈوب گیا، اس کو ندامت ہوئی اور اس نے کہا: بھلا ڈوبنے والا بھی خدا ہو سکتا ہے۔ سورج نکلا تو اس کے بڑے پن اور تیز روشنی کو دیکھ کر یہ خیال کیا کہ شاید یہ میرا رب ہے مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو اس کو پھر ندامت ہوئی اور اس کی فطرت نے پکارا: تمہارا رب تو وہ ہے جس نے ساری دنیا کو پیدا کیا اور جو اس کائنات کا حاکم ہے، جو مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ بچہ اس جواب سے مطمئن ہو گیا اور اس نے ساری عمر خدا پرستی کی تعلیم و ترویج میں بسر کر دی۔ یہی بچہ تارتخ میں ابراہیم علیہ السلام کے نام سے موسوم ہے۔ اگر خدا بیزاری فطرت تھی تو ابراہیم علیہ السلام کو کبھی مومن نہیں بننا چاہیے تھا۔ اس تجربے نے نہ صرف یہ بتایا کہ خدا پرستی ہی انسان کی فطرت ہے بلکہ صرف ایک خدا کو تسلیم کرنا ہی فطرت کا تقاضا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اپنے اندر تو حید کا فطری پیغام رکھتا ہے، بقول حضرت سعدی۔ برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتر بیست معرفت کردگار! (مولانا محمد سعید عالم قاسمی)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ إِنَّمَا أَدْعِي إِلَى الْإِسْلَامِ كَمَا دُعِيتُ وَلَا يَكُونُ لِي مِنَ الْإِسْلَامِ شَيْءٌ

سمایہ دست  
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

بانی  
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

25 ربیع الثانی 1434ھ جمعۃ المبارک 08 تا 14 مارچ 2013ء

مسک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

مفتاح  
الاعنصل  
لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

شماره 10 جلد 64

### مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم

### مدیر مسئول

- حافظ احمد شاہر

### مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی

### کمپوزنگ

- رضا اللہ ساہو

0333-4786507

0344-4656461

### جواہر پارے

قرآن و سنت کا اتباع

### کلمہ طیبہ

کیا الحاد تقاضائے فطرت ہے؟..... (۲) آخری (مولانا محمد سعید عالم قاسمی)

### اداریہ

2 وأرنا مناسکنا (حافظ احمد شاہر)

### درس قرآن

4 تفسیر سورہ یس..... (۶۳) (مولانا ارشاد الحق اثری)

### افتاء

10 مسئلہ طلاق (مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عقیف)

### مقالات علمیہ

12 عہد نبوی میں قرآن مجید کی تدوین و ترتیب (۲) آخری (مولانا سید بدر الدین ملوی)

### علوم و معارف

17 فلسفہ الہیات اور امام رازی رحمہ اللہ (محبوب الرحیم)

### تذکرہ علمائے اہل حدیث

22 مولانا بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ..... (۲) (محمد رمضان یوسف سلفی)

### سیرت و سوانح

29 حضرت مولانا ابوبکر صدیق السلفی رحمہ اللہ

مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی جوار رحمت میں

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور  
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور  
فون نمبر : 042-3735 4406  
فیکس نمبر : 042-37229802  
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے  
سالانہ : 500/- روپے  
بیرونی ممالک سے : 200/- ریال  
60/- ڈالر امریکی

بیت  
الاعنصل

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

## وَأَرْنَا مَنَاسِكَنَا

حج اسلام کا ایک ایسا رکن ہے جو حیثیت یعنی مالی حیثیت کے ساتھ مشروط ہے۔ جس بھی مسلمان کے نہاں خانہ دل میں ایمان کی جوت جل رہی ہو وہ اللہ تعالیٰ کا گھر دیکھنے کے لیے دائماً بے تاب و بے قرار رہتا ہے۔

جہاں تک ہمیں یاد ہے کسی زمانے میں سفر حج کے لیے بارہ یا سولہ صد روپے درکار ہوتے تھے اور وہ بھی شوقِ زیارتِ بیت اللہ میں تڑپنے والے بہت سے محبانِ حرمین شریفین جمع نہیں کر پاتے تھے، اور ہزاروں مسلمان اندوختہ..... راستے اور گھر کا خرچ..... نہ ہونے کے باعث بلکہ بلکہ کرسفر آخرت پر روانہ ہو جاتے تھے۔

جب سے وطن عزیز میں ترقی کے نام پر..... مغربی مہاجنوں کے سودی..... قرض کی صورت میں مال و دولت کا بہاؤ شروع ہوا ہے تب سے روپے کی ریل پیل بھی شروع ہو گئی، صنعتیں بھی لگ گئیں، پیسہ بھی بڑھنے لگا۔ مہاجنوں نے پیسہ بڑھتا دیکھ کر سہولت کے نام پر پاکستانی عوام کو اپنی مصنوعات کا تعارف کرانا اور عادی بنانے کے لیے سستے داموں اس کی ترسیل شروع کر دی حتیٰ کہ انھوں نے اپنی مصنوعات کے انبار لگا دیئے اور اپنی مصنوعات کی زیادہ سے زیادہ کچھ کر کے وطن عزیز سے قرض کے نام پر دی ہوئی دولت سمیٹ کر واپس لے جانے لگے، اپنا قرض تو وہ اپنی مصنوعات بیچ کر واپس لے جاتے رہے اور ان کے قرض کا سود ادا کرنے کے لیے ہمارے حکمران مزید قرض لیتے رہے اور ملک سودی قرض در قرض کے مرغولے میں ایسا پھنستا چلا گیا کہ مہاجن سود وصول کرتے رہے اور اپنی اصل رقم کی واپسی کی نوبت ہی آنے نہ دیتے۔ حکمرانوں کو اس کا حل یہی سمجھایا جاتا کہ اشیاء کے نرخ بڑھا دو، چنانچہ نرخ بڑھتے یعنی مہنگائی بڑھتی گئی، حکمران بیرونی حکومتوں سے قرض لیتے گئے، بینکوں نے حکومت سے قرض لینا شروع کر دیا۔ تاجروں، صنعت کاروں کو بینکوں نے قرض دے کر سود لینا شروع کر دیا۔ تاجر اور صنعت کار بینکوں کو دیا جانے والا سود اپنی مصنوعات کی قیمتوں میں شامل کر کے عام صارف سے وصول کرتے رہے اور جب سے عالمی طاعوت نے الیکٹرانک میڈیا کی بادموم چلائی تو پھر اس کو چلانے کے لیے ضروریات زندگی کی تشہیر ضروری جان لی گئی وہ اس وقت سے تشہیری مہم کے خرچے کو بھی اشیاء ضرورت کی قیمت میں شامل کر دیا گیا تو مہنگائی آسمان سے باتیں کرنے لگی اور نتیجتاً، آسائش و آرائش کی بیرونی مصنوعات کا نفع بھی مہاجن لے گیا۔ الیکٹرانک میڈیا..... ٹی وی چینلز..... کے سلاٹ کا خرچ بھی سلاٹ والے لے گئے، بالائی تاجر اور صنعت کار کھا گیا پس گیا بے چارہ صارف اور مقروض ہوتا رہا وطن عزیز۔

نامشرف دور حکومت میں جب سے ملٹی نیشنل کمپنیوں نے وطن عزیز پر دھاوا بولا ہے اور برگر، پیزا، شوارما، ادویات، موبائل، کمپیوٹر، سی ڈی، ڈی وی ڈی، انٹرنیٹ، الیکٹرانک میڈیا، سامانِ تعیش (کاسمیٹکس وغیرہ) انڈین اور مغربی فلموں کے ذریعے پاکستانی سرمایہ نفع سمیت باہر جانا شروع ہوا ہے تب سے پاکستانی کرنسی..... طاعوت کی سوچی سمجھی سکیم کے تحت..... اس تیزی سے رو بہ زوال ہو رہی ہے کہ سوچ کر دماغ گھومنے لگ جاتا ہے۔ چونکہ وطن عزیز کو پٹرول، جہاز وغیرہ سب کچھ غیر ملکی کرنسی میں خریدنا پڑتا ہے اس لیے سب کچھ ہی مہنگا ہو گیا۔ باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ دنیا میں سب سے مہنگا فضائی ٹکٹ (لاہور، کراچی وغیرہ) پاکستان جدہ کا ہے اور خدا داد مملکت اسلامیہ پاکستان کا کمال یہ ہے کہ یہ ہر سال حج کے سفر کو غیر معمولی مہنگا کر دیتی ہے اور پھر سفر حج پر کوئی سب سڈی بھی نہیں دیتی، وزارت حج کا کم و بیش ہر فرد حسب استطاعت اس سے

”استفادے“ میں مستعد رہتا ہے۔ وزارت حج کی کچھ کرتوتوں کی تفصیلات سے تو گزشتہ سال کے اخبارات بھرے پڑے ہیں اور عوامی حکومت کا کمال یہ ہے کہ حجاج کی خون پسینے کی کمائی سے ہاتھ رنگنے والے وطن عزیز میں اس ”جرات“ سے دندنا رہے ہیں کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ وزارت حج جو چھ ماہ قبل ہی حج کے نام پر حجاجوں سے پیسے وصول کر کے بینکوں کے حوالے کر دیتی ہے تو کیا اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وزارت حج حجاج کی رقوم کے چھ ماہ کے سود پر ہی چلتی ہے؟ پچھلے سال حکومت پاکستان نے حجاج کو..... اپنے، اپنے..... ایئرپورٹ پر زم زم مہیا کرنے کے نام سے غالباً ۲۲ ریال ہر حاجی وصول کیے جو پاکستان کی کرنسی کے حساب سے فی کس ۵۰۰ سے زائد رقم بنتی اور اس رقم کو حجاجوں کی تعداد سے ضرب دے کر حساب کر لیں کہ یہ رقم کروڑوں میں بن جاتی ہے۔ لیکن پاکستان میں شاید ہی کسی پرائیویٹ سفر کرنے والے حاجی کو حکومت کی طرف سے زم زم کا پانی ملا ہو۔ اسی طرح پی۔ آئی۔ اے کی حج پروازیں لیٹ ہونے کے علاوہ حج فلائٹوں کے جہاز ٹکے، ان کا کھانا ریلوے اسٹیشن کی کینٹین سے بھی بدتر اور نرغ پھر بھی سب سے زیادہ۔ اس کے مقابلہ میں ہمارا کافر..... بھارت..... پڑوسی حجاج کو سب سڈی بھی دیتا ہے، وصول شدہ رقم میں سے حساب کے بعد کبھی واپس بھی کر دیتا ہے اور مکہ مکرمہ میں اپنے حجاجوں کو عمارتیں حرم کے قریب تر بھی مہیا کرتا ہے۔ یہ معروضات سنی سنائی نہیں ہڈ بیتی ہیں۔

حکومت پاکستان کی حج پالیسی ۲۰۱۳ء جب اخبار میں آئی تو ہمیں مہنگائی کی پٹا اور وزارت حج یاد آگئی۔ حج کسی زمانے میں عبادت کا درجہ رکھتا تھا جب حج سینکڑوں میں ہوتا تھا تب غریب مسلمان سال بھر پیسے جوڑ جوڑ کر حج کے لیے یہ ذریعہ بحری جہاز حجاز مقدس جایا کرتے تھے اور یہ سفر چار ماہ کا ہوا کرتا تھا۔ اس وقت ہوائی جہاز میں کوئی سرمایہ دار ہی جاتا تھا۔ جب سے معیار زندگی اونچی اڑان اڑنے لگا تب سے بحری جہاز کا سفر ہی پس ماندہ..... Backward..... سمجھا جانے لگا ہے۔ گمان کی غلطی ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرے اب مشاہداتی تجربہ ہے کہ پرائیویٹ حج سکیم میں سہولتوں کے حصول بلکہ وفور کے بعد یہ سفر عبادت کی بجائے پکنک محسوس ہونے لگتا ہے اور سینکڑوں میں ہونے والا حج اب ہزاروں سے بڑھتا بڑھتا لاکھوں تک جا پہنچا ہے جو کم استطاعت رکھنے والوں کے لیے خواب بن چکا ہے۔

المملکت العربیۃ السعودیہ خصوصاً آل سعود کی پاکستان اور اہل پاکستان سے محبت مثالی بلکہ بے مثال ہے۔ مملکت جس طرح سے حجاج کی خدمت کرتی ہے حجاج کی صحت، ماحول کی صفائی، پکنک ٹرانسپورٹ کی ہر ممکن سہولت، خوراک کے معیار اور اس کی مقدار گویا کہ حجاج کی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا مملکت خیال نہ رکھتی ہو۔ لیکن حرم کی قرب و جوار سے سستی رہائش اور کھانے پینے کے ہوٹل ختم کر کے کمزور اور کم استطاعت رکھنے والے حجاج اس سے مشکل میں رہتے ہیں۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ حکومت سعودیہ کے ذمہ داران دیگر امور خیر کی طرح اس مشکل کا حل بھی کریں گے۔ مملکت کے عمال خوب جانتے ہیں اور وہ حکومت پاکستان کو توجہ بھی دلاتے رہتے ہیں کہ پاکستانی کارندے کن ”وجوہات“ کی بنا پر پاکستانی حجاج کو حرم کی سے فاصلے پر عمارتیں مہیا کرتے ہیں۔

مملکت نے گزشتہ سال منی میں گم ہو جانے والے حجاج کی اپنے خیموں تک رسائی کے لیے ایسا عمدہ انتظام کر رکھا تھا کہ ہر حاجی مملکت کے استحکام کے لیے دعا گو رہا۔ اسی طرح مکہ مکرمہ، عرفات، منی اور جمرات کے لیے ریل کے سفر نے بھی بہت سے مسائل حل کر دیے اور جمرات کا انتظام و انصرام دیکھ کر دل عیش عیش کراٹھتا ہے۔ جزاھم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

یہ رام کہانی دہرانے کی غرض یہ ہے کہ وطن عزیز کے پالیسی ساز اداروں اور افراد سے درخواست ہے کہ وہ ایسی منصوبہ بندی کریں جس سے حجاجوں کو آسانی میسر ہو، مثلاً: حج فلائٹس کے لیے تیل پیدا کرنے والے ممالک سے خصوصی رعایت حاصل کریں، حجاج کرام کو سب سڈی دینے کا کوئی راستہ نکالیں یا پھر المملکت العربیۃ السعودیہ کے کارپردازان اور حکومت پاکستان کی وزارت حج کے افسران اگر بحری جہاز کے سفر کو دوبارہ شروع کر دیں تو شاید بہت سے کم استطاعت رکھنے والے حضرات کی بے تابی دل کو قرار آ جائے اور وہ زیارت حرمین شریفین سے آنکھیں ٹھنڈی کر لیں۔ چالیس روز کا قیام کافی ہوتا ہے لیکن اگر بحری جہازوں کو دوبارہ اس روٹ پر رواں کر دیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو جزا دے گا اور زائرین کرام بھی جی بھر کر دعائیں دیں گے۔

## تفسیر سورہ یس

مولانا ارشاد الحق اثری

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ۝

[الواقعة: ۵۷-۶۲]

”ہم نے ہی تمہیں پیدا کیا تو تم (دوبارہ اٹھنے کو) کیوں سچ نہیں مانتے؟ تو کیا تم نے دیکھا وہ (نطفہ) جو تم پکاتے ہو؟ کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے ہی تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کیا ہے اور ہم ہرگز عاجز نہیں ہیں۔ اس بات سے کہ تمہاری جگہ تمہارے جیسے اور لوگ لے آئیں اور نئے سرے سے تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جو تم نہیں جانتے۔ اور بلاشبہ یقیناً تم پہلی دفعہ پیدا ہونے کو جان چکے ہو تو تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟“

جب تمہیں یقین ہے کہ پہلی بار ہم نے ہی تمہیں اپنی قدرت کا ملہ سے پیدا کیا ہے تو پھر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے میں ہمیں کیا تامل ہوگا؟

ہڈیوں میں زندگی اور ان کی طہارت کا مسئلہ:

قرآن مجید کی اسی آیت کے تحت بعض مفسرین نے یہ بحث بھی کی ہے کہ کیا ہڈیوں میں بھی موت نفوذ کرتی ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور بعض شوافع کا خیال ہے کہ ہڈیوں میں حیات ہے، ان میں موت نفوذ نہیں کرتی، اس لیے یہ پاک ہیں اور ”میت“ کے حکم میں نہیں ہیں۔ مگر امام شافعی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مگرین قیامت نے جو کہا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ تو ان کے جواب میں فرمایا گیا کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ گویا اس آیت میں ہڈیوں کے مردہ ہونے کو تسلیم کیا گیا ہے، لہذا جب ہڈیاں مردہ ہیں تو وہ نجس ہیں اور ان سے انتفاع جائز نہیں۔

﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَبِّئُكَ﴾ اس جھگڑا انسان نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ یہ انسانوں کی طرح ہمیں بھی عاجز سمجھتا ہے اور ہماری قدرت کا ملہ کا انکار کرتا ہے اور یہ وہ جسارت اپنی تخلیق کو نظر انداز کر کے کرتا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ وہ خود ”ماء مہین“ سے پیدا ہوا ہے اور ہمارے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔ اور کہتا ہے جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو انہیں کون زندہ کرے گا۔

”زمیم“ بوسیدہ ہڈی کو کہتے ہیں۔ اور ”أرقت عظامہ“ کا معنی ہے ہڈیوں کا اس قدر بوسیدہ ہو کر باریک ہو جانا کہ پھونک سے اڑ جائیں۔ (مفردات)

گو جب انسان کا گوشت پوست گل سڑ جائے گا اور اس کی ہڈیاں خاک کی طرح خاک ہو جائیں گی تو یہ ہڈیاں کیونکر دوبارہ بنیں گی اور ان میں زندگی کی رت کیسے آئے گی؟ اس عقلی ڈھکوسلے کا جواب بعد کی آیت میں ہے:

﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”کہہ دے: انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔“ ”إنشاء“ کا معنی کسی چیز کو پیدا کرنا، ایجاد کرنا اور پرورش کرنا ہے۔ حیات بعد الہمات کے بارے میں یہی استدلال ذرا تفصیل سے سورۃ الواقعة میں بیان ہوا ہے:

﴿نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ ۝ اِنَّكُمْ تَعْلَمُونَ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۝ نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ عَلٰى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِىْ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝





ہڈیوں، مثلاً: ہاتھی دانت وغیرہ کے بارے میں میں نے بہ کثرت متقدمین کو دیکھا وہ ہاتھی دانت سے بنی ہونگے گیوں سے کنگھی کرتے تھے اور ہڈیوں سے بنے ہوئے برتنوں میں تیل رکھتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ابن سیرین اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں۔ (صحیح بخاری: کتاب

الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان وفتح الباري: ۳۴۲/۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ماکول اللحم جانور کو اگر ذبح نہ کیا جائے تو اس کی نجاست خون کے نہ نکلنے کی بنا پر ہے۔ جس میں خون نہ ہو اور وہ مرجائے، اس میں خون ہی نہیں تو وہ نجس کیسے ہوگا، مثلاً: کبھی میں خون نہیں، اگر وہ پانی وغیرہ میں گر کر مرجائے جب وہ نجس نہیں؟ تو ہڈی وغیرہ بالاولیٰ نجس نہیں ہوگی کیونکہ اس میں بہنے والا خون نہیں ہوتا۔ وہ متحرک بالارادہ بھی نہیں بلکہ جسم انسانی کے بالتبع بڑھتی ہے۔ جب کامل حیوان متحرک بالارادہ ”دم سائل“ (بہنے والا خون) نہ ہونے کی وجہ سے نجس نہیں تو ہڈیاں جن میں خون نہیں وہ نجس کیسے ہو گئیں؟

مزید فرماتے ہیں کہ زندگی کی دونوں حالتیں ہیں: ایک جو حیوانات سے متعلق ہے اور دوسری جو نباتات سے متعلق ہے۔ حیوانی زندگی کا خاصہ حس اور حرکت بالارادہ ہے اور نباتاتی زندگی کا خاصہ نمو اور بڑھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو مردہ کو حرام قرار دیا ہے تو یہ اس لیے کہ اس سے حیات حیوانیہ ختم ہو جاتی ہے۔ حیات نباتاتیہ کا ختم ہونا یہاں مراد ہی نہیں۔ جیسے درخت اور کھیتی ہے، اگر وہ خشک ہو جائے تو بالاتفاق وہ نجس نہیں۔ بالوں کی زندگی بھی نباتات کی زندگی کی طرح ہے۔ ان میں بڑھنا اور غذا حاصل کرنا کھیتی کی طرح ہے، ان میں نہ حس ہے اور نہ یہ اپنے ارادے سے حرکت کرتے ہیں۔ جب انھیں حیات حیوانیہ ہی حاصل نہیں کہ وہ موت سے دوچار ہوں تو ان کو نجس کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ شیخ الاسلام نے اس کی تفصیل چھ صفحات میں بیان کی ہے جو قابل مراجعت ہے۔ (مجموع فتاویٰ: ۹۶۲/۱-۱۰۲)

یہی موقف حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

(التبيين في أقسام القرآن، ص: ۳۱۵)

یہ نزاع حیوانات کی ہڈیوں کے بارے میں ہے۔ رہے انسان تو ان کی ہڈیاں، ان کے بال اور تمام اجزاء پاک ہیں۔ یہی جمہور علماء کے رائے ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ [بنی اسرائیل: ۷۰]

”ہم نے آدم کی اولاد کو بہت عزت بخشی ہے۔“

حضرت ابن عباس رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

”المسلم لا ینجس حیا ولا میتا۔“

”مسلمان زندہ اور مردہ پلید نہیں ہوتا۔“

بلکہ حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن المسلم لا ینجس .))

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۸۳)

”بے شک مسلمان نجس نہیں ہوتا۔“

میت کو غسل اس کی پاکیزگی و نفاست کے لیے ہے، یوں نہیں کہ فوت ہونے سے مسلمان نجس ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر اس کے پیٹ سے کوئی چیز خارج ہو تو وہ بہر حال نجس ہے۔

رہے ماکول اللحم جانور جن کو ذبح کیا گیا ہو، ان کی ہڈیاں اور بال بھی جمہور علماء کے ہاں پاک ہیں۔ لیکن اگر وہ مر گئے ہوں یا غیر ماکول اللحم ہوں تو ان کی ہڈیاں بال، سینک، وغیرہ امام مالک امام شافعی اور امام اسحاق رحمہما اللہ کے نزدیک نجس ہیں۔ یہی قول امام عطاء، حسن بصری، طاؤس اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کا ہے۔ (المغنی: ۸۹/۱)

مگر امام ابو حنیفہ، ابن سیرین، ابن جریج رحمہما اللہ وغیرہ کے نزدیک یہ سب پاک ہیں۔ امام مالک کے شاگرد ابن وہب کا بھی یہی قول ہے اور علامہ قرطبی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵۵/۱۰)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام عطاء انسانوں کے بالوں کی رسیاں بنانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (صحیح بخاری:

کتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان وفتح البار: ۲۷۲/۱)

اسی طرح امام زہری سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: مردار

رسول اللہ ﷺ کے فضلات کا حکم:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی بحث کے ضمن میں یہ بھی فرمایا ہے:

”فقد ثبت أن النبي ﷺ أعطى شعره لما حلق رأسه للمسلمين، وكان ﷺ يستنجي ويستجمر فمن سوى بين الشعر والبول والعدرة فقد أخطأ خطأً بيناً.“

(مجموع فتاویٰ: ۵۹/۲۱)

”بے شک یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے جب اپنا سر مبارک منڈوایا تو اپنے سر کے بال مبارک مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔ اور آپ ﷺ بول و براز کے بعد استنجاء کرتے اور ڈھیلا استعمال کرتے تھے، لہذا جو بالوں اور بول و براز کو برابر سمجھتا ہے بلاشبہ وہ واضح غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے پانی سے بھی استنجاء کیا اور ڈھیلوں سے بھی، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ایک غلام برتن میں پانی لے جایا کرتے اور آپ ﷺ اس سے استنجاء کرتے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۵۰، ۲۱۷ وغیرہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلے، میں آپ ﷺ کے پیچھے تھا۔ جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے لیے پتھر لاؤ، میں اس سے استنجاء کروں۔ ہڈی اور گوبر نہ لانا۔“

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۵۵ وغیرہ)

بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلے تو استنجاء کے لیے مجھے تین پتھر لانے کا حکم فرمایا۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۵۶ وغیرہ)

اگر رسول اللہ ﷺ کے تمام فضلات پاک ہوتے تو قضائے حاجت کے بعد استنجاء کی ضرورت ہی کیا تھی؟ استنجاء ہی نہیں بلکہ بول و براز سے فارغ ہو کر وضو سے پہلے مزید نظافت کے لیے ہاتھ مٹی پر

ملنے، پھر وضو کرتے تھے۔

(ابوداؤد، رقم الحدیث: ۳۶، نسائی، رقم الحدیث: ۵۰، ۵۱ وغیرہ)

بلکہ امام زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے بیٹے! بول و براز کے وقت میں چاہتا ہوں کہ علیحدہ لباس بنالوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جو کھیاں بیت الخلاء میں ہوتی ہیں وہ میرے اوپر بیٹھتی ہیں، پھر وہ متنبہ ہوئے اور فرمایا:

”فما كان رسول الله ﷺ ولا لأصحابه إلا

ثوب فرفضه.“ (الحلیۃ: ۱۳۳/۳)

”رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک ہی لباس ہوتا تھا تو آپ ﷺ نے علیحدہ لباس بنانے کا خیال ترک کر دیا۔“

علامہ ابن جوزی نے تلمیس ابلیس (ص: ۱۸۱) میں لباس کے بارے میں صوفیوں کے اسی قسم کے توہم کی تردید میں یہ اثر نقل کیا ہے اور اسی فکر کی تردید میں اسے علامہ ابن قیم نے اغاثۃ اللمغان (۱۱۵) میں بھی نقل کیا ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں البتہ یہ مرسل ہے تاہم اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ بھی آپ ﷺ کے بول و براز کو نجس ہی سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر انھوں نے خود بیت الخلاء کے لیے علیحدہ لباس کا خیال ترک کر دیا۔ اگر وہ پاک ہوتا تو امام زین العابدین رحمہ اللہ کا استدلال ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے فضلات کو زمین نہیں لگتی تھی۔ فتدبر

علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ سمیلین سے بول یا براز نکلنے سے انسان کی طہارت ختم ہو جاتی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے آپ کو ایسی صورت میں غیر طاہر ہی قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ کو سلام کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب نہ دیا، پھر آپ ﷺ نے تیمم کر کے اسے جواب دیا۔ جب کہ حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی اسی نوعیت کی روایت میں ہے کہ



آپ ﷺ نے وضو کر کے جواب دیا اور فرمایا:

((إني كرهت أن أذكر الله عز وجل إلا على

طهارة.)) (أبوداود، رقم الحديث: ۱۷، ۱۶ وغیره)

”میں نے ناپسند کیا کہ اللہ کا ذکر طہارت کے بغیر کروں۔“

رسول اللہ ﷺ نے پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور خبردار بھی فرمایا ہے کہ عذاب قبر کا سبب پیشاب کے قطروں سے بچنے میں بے احتیاطی ہے۔ اور آپ ﷺ خود بھی اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ آپ ﷺ نے پیشاب کرنا چاہا تو دیوار کی جڑ میں نرم جگہ پر پیشاب کیا اور فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے اسے چاہیے کہ پیشاب کے لیے نرم جگہ تلاش کرے۔“

(أبوداود، رقم الحديث: ۳۰)

امام ابوداود نے اس پر ان الفاظ سے باب ذکر کیا ہے: ”باب الرجل يتبوء لبو له.“ ”باب ہے اس بارے میں کہ آدمی پیشاب کے لیے نرم جگہ تلاش کرے۔“ تاکہ اس کے چھینٹے پیشاب کرنے والے کی طرف نہ آئیں۔ (عون المعبود: ۵/۱)

اس کی تائید حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بیان سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ضرورت کے تحت آپ ﷺ نے جہاں کوڑا مٹی پھینکی جاتی ہے وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ آپ ﷺ کا منہ دیوار کی طرف تھا اور مجھے آپ ﷺ نے اپنے پیچھے کھڑا ہونے کا حکم فرمایا۔

(صحیح بخاری، رقم الحديث: ۲۲۵ وغیرہ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن حبان رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر پیشاب کرنے کی مناسب جگہ نہ پا کر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا تاکہ پیشاب کے چھینٹے لوٹ کر آپ ﷺ کی طرف نہ آئیں۔ (فتح الباری: ۳۳۰/۱ نیز دیکھیے

الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان (۲۹۳/۳)

بلکہ صحیح ابن خزیمہ میں تو ہے:

”ففرج بین رجلیه وبال قائما.“

”آپ نے اپنی ٹانگوں کے مابین دوری کی ہوئی تھی۔“

امام ابن خزیمہ کے اس حدیث پر باب کے الفاظ ہیں:

”باب استحباب تفريج الرجلین عند البول

قائما إذ هو أحرى أن لا ينشر البول على

الفخذین.“ (صحیح ابن خزیمہ: ۱/۳۶)

یعنی کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے ٹانگوں کے مابین

دوری کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ یہ صورت ٹانگوں کو

پیشاب سے بچانے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

اگر آپ ﷺ کا پیشاب پاک تھا تو اس سے بچنے کا یہ اہتمام چہ

معنی دارد؟

انسان کے جسم سے نکلنے والی اشیاء میں سے منی بھی ہے جس کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اسے پاک کہتے ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی موقف ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما ناپاک کہتے ہیں۔ اس مسئلے کی تفصیل یہاں مقصود نہیں، بس یہ عرض کرنا ہے کہ منی کے بارے میں یہ اختلاف بھی اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فضلات کو پاک کہنے کا قول قطعاً متفق علیہ نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل کرتے:

”غسل فرجه وما أصابه من الأذى.“

(صحیح بخاری، رقم الحديث: ۲۴۹)

”تو اپنی شرمگاہ کو جو گندگی لگی ہوئی ہوتی تھی اسے دھوتے تھے۔“

غسل جنابت کے بارے میں مروی روایات میں یہ تفصیل بھی

ہے کہ آپ ﷺ پہلے ہاتھ دھوتے، پھر شرمگاہ اور رانوں کو دھوتے۔

(أبوداود، رقم الحديث: ۲۲۲، ۲۲۳ وغیرہ)

شرمگاہ کے ساتھ رانوں کو دھونا اسی کی تفصیل ہے جسے حضرت

میمونہ رضی اللہ عنہا ”وما أصابه من الأذى“ کے الفاظ سے بیان فرماتی ہیں۔

”أذی“ کا معنی ہر تکلیف دینے والی چیز اور پلیدی و نجاست ہے۔ قرآن مجید میں حیض کے بارے میں بھی یہی لفظ ”أذی“ استعمال ہوا ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَأَعْتَزِلُوا  
النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ﴾

[البقرة: ۲۲۲]

جس کا ترجمہ مولانا محمود الحسن دیوبندی یوں کرتے ہیں:

”اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض، کہہ دے: وہ گندگی ہے، سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو اُن کے جب تک پاک نہ ہوویں۔“

مجدد ملت بریلویہ احمد رضا خان صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

”اور تجھ سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم، تم فرماؤ: وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہوں لیں۔“

قرآن مجید میں ﴿أَذًى﴾ کا ترجمہ گندگی، ناپاکی کیا گیا ہے۔ اور یہی لفظ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی منی کے بارے میں بیان فرماتی ہیں۔ اگر ان کے ہاں آپ ﷺ کے فضلات کے پاک ہونے کا تصور پایا جاتا تو کیا وہ منی کو ”أَذًى“ سے تعبیر کرتیں؟ ”أَذًى“ کا یہی معنی کئی احادیث میں وارد ہوا ہے مگر اس کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔

علامہ عینی نے کہا ہے کہ منی فی نفسہ نجس ہے کیونکہ اس کے بارے ”أَذًى“ کا لفظ اسی طرح آیا ہے جیسے جوتے کے نیچے نجاست لگنے پر ”أَذًى“ کا لفظ وارد ہوا ہے۔ (عمدة القاری: ۱۳۵/۳)

علامہ نووی اس مسئلے میں اختلاف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام قتال نے ”شرح التلخیص“ میں کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کے تمام فضلات پاک ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں۔

علامہ نووی یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں: ”یہ خراسان کے شیخ ہیں اور ان پر فتوے کا مدار ہے۔“ پھر اس پر فریقین کے دلائل کا مختصر ذکر کر کے لکھتے ہیں:

”والصحيح عند الجمهور نجاسة الدم والفضلات وبه قطع العراقيون، وخالفهم القاضي حسين فقال: الأصح طهارة الجميع والله أعلم.“ (المجموع: ۱/ ۲۳۴)

”جمہور کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خون اور فضلات نجس ہیں۔

عراقی شیوخ کا یہی فیصلہ ہے اور قاضی حسین نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے: زیادہ صحیح یہ ہے کہ تمام فضلات پاک ہیں۔“

علامہ نووی رحمہ اللہ کا یہ ظاہر یہی موقف معلوم ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات پاک ہیں، چنانچہ فتح الباری میں رقم طراز ہیں:

”والحق أن حكمه حكم جميع المكلفين في الأحكام التكليفية إلا فيما خص بدليل، وقد تكاثرت الأدلة على طهارة فضلاته وعد الأئمة ذلك في خصائصه، فلا يلتفت إلى ما وقع في كتب كثير من الشافعية مما يخالف ذلك فقد اسقر الأمر بين أئمتهم على القول بالطهارة.“ (فتح الباری: ۱/ ۲۷۲)

تحت باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان من كتاب الوضوء)

”اور حق یہ ہے احکام شرعیہ میں آپ ﷺ کا وہی حکم ہے جو تمام مکلفین کے لیے ہے الا یہ کہ کسی دلیل سے آپ ﷺ کی تخصیص ثابت ہو۔ اور بہت سے دلائل آپ ﷺ کے فضلات کے پاک ہونے میں ہیں اور ائمہ نے اسے آپ ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ لہذا بہت سی کتب شافعیہ میں جو اس کے خلاف ہے اس کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے۔ ائمہ کے مابین ان کی طہارت کا قول فیصلہ کن ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ”ائمہ“ کے نزدیک آپ ﷺ کے فضلات پاک ہیں۔ اس سے غالباً ائمہ شوافع مراد ہیں، ائمہ اربعہ نہیں۔ علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

سے بھی منقول ہے یا نہیں۔ البتہ علامہ قسطلانی نے بحوالہ علامہ عینی ان کی طہارت امام ابوحنیفہ سے نقل کی ہے مگر مجھے عینی میں یہ قول نہیں ملا۔ اس مسئلے کی وضاحت نہ ہونے کے باعث ہی امام بخاری نے کوئی وضاحت نہیں کی بلکہ اپنی کتاب میں انھوں نے آپ ﷺ اور تمام لوگوں کے فضلات کے پاک ونجس ہونے کے بارے میں برابری کا طریقہ اختیار کیا ہے۔“

اسی طرح جلد: ۱، صفحہ: ۲۷۲ میں بھی انھوں نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے طہارت کا قول نقل کیا جاتا ہے مگر میں نے یہ قول نہیں پایا۔ بالفرض علامہ عینی یا متاخرین میں سے کسی نے یہ کہا ہے کہ امام صاحب نے یہ فرمایا ہے تو یہ ثبوت کے لیے کافی نہیں تا آنکہ ظاہر الروایہ سے یا ضعیف الروایہ سے ہی سہی، اس کا ثبوت نہ پایا جائے۔

”قد مرمني أن طهارة فضلات النبي ﷺ توجد في كتب مذاهب الأربعة، ثم لا أدري أنها منقولة عن الأئمة أم لا، إلا أن القسطلاني نقل طهارتها عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى بحواله العيني ولم أجدها فيه، ولخفاء تلك المسألة لم يفصح بها البخاري في كتابه ومشى في كتابه على التسوية بينها وبين فضلات سائر الناس في أمر الطهارة والنجاسة.“

(فيض الباري: ۱/ ۳۳۹، ۳۴۰)

”پہلے میری طرف سے یہ بات گزری ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فضلات کے پاک ہونے کا مسئلہ مذاہب اربعہ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے مگر میں نہیں جانتا کہ یہ ائمہ اربعہ

اعلان داخلہ

علوم دینیہ کی معیاری تعلیم اور اسلامی آداب کے مطابق معاشرتی تربیت کا عظیم مرکز

## مدرسہ تدریس القرآن والحديث للبنات

لاہور

ماہوار اور سہ ماہی کورس پروگرام  
تجویذ خطیب القرآن پروگرام

2½ سالہ عالمہ پروگرام

2½ سالہ تربیت ثانویہ پروگرام

ان شاء اللہ ”کیم 1 اپریل“ سے ہوگا۔

کی مرکزی برانچ ”وسن پورہ“ اور ذیلی برانچ ”احمد ہاؤسنگ سکیم، منصورہ“ میں 15 مارچ سے داخلہ شروع ہوگا اور کلاسز کا آغاز

**خصوصیات**

○ فرقہ واریت سے پاک ماحول

○ اسلامی تہذیب کا امین

○ تربیتی ورکشاپس کا انعقاد

○ تقریری، تحریری، تحقیقی اور علمی ذوق

○ عصری تعلیم میں طالبات کی نمایاں کامیابیاں، مثلاً: 2007ء میں لاہور بورڈ میں دوسری پوزیشن۔ ماس کام جامعہ پنجاب میں دوم پوزیشن۔ M.A. عربی جامعہ پنجاب میں دوم پوزیشن۔ B.A. کے عربی ضمون میں پنجاب بھر میں اول پوزیشن۔ مدرسہ کے اساتذہ کی قابلیت کی شہادت دیتی ہیں۔

**سراٹھ داخلہ:** کم از کم میٹرک فرسٹ ڈویژن ترجیاً۔

B.A، F.A یا کمپیوٹر کورس وغیرہ۔ ناظرہ قرآن مجید صحیح

تلفظ کے ساتھ۔ عمر کم از کم 16 سال غیر شادی شدہ

**سراٹھ داخلہ:** کم از کم میٹرک فرسٹ ڈویژن ترجیاً۔

B.A، F.A یا کمپیوٹر کورس وغیرہ۔ ناظرہ قرآن مجید صحیح

تلفظ کے ساتھ۔ عمر کم از کم 16 سال غیر شادی شدہ

**نوٹ:** مرکزی برانچ اور ذیلی برانچ دونوں میں الحمد للہ رہائش کا معقول انتظام ہے، اور قریبی علاقوں کے لیے مرکزی برانچ کی طرف سے محدود ٹرانسپورٹ کی سہولت ہے۔

تفصیلات معلوم کرنے کے لیے رابطہ مرکزی برانچ۔ فون: 0324-4088449 / 6278550 / 0423-7280943 ذیلی برانچ۔ فون: 0321-4773771

## مسئلہ طلاق

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عقیف

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ میں مسمیٰ ثناء اللہ ولد محمد صدیق کی شادی سبیلہ دختر نذر محمد کے ساتھ شریعت کے مطابق مورخہ ۱۸/۱۱/۲۰۱۱ء کو ہوئی۔ لیکن بعض گھریلو اختلاف کی وجہ سے آپس میں الجھ پڑے جس پر میں نے غصے میں آ کر کہہ دیا کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا اور شاید یہ بھی کہہ دیا ہو کہ تجھے طلاق دی۔

سبیلہ کا بیان: سبیلہ سے کہا گیا کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا لیکن ٹھیک آدھے گھنٹے بعد آپس میں صلح ہو گئی اور ازدواجی تعلقات بھی قائم کیے۔ یاد رہے یہ بیان ہم میاں بیوی کو وضو کروا کر مسجد میں لیے گئے ہیں اور یہ واقعہ شادی کے سات ماہ بعد کا ہے جب کہ اس وقت عورت پانچ ماہ کی حاملہ تھی۔

دوسری مرتبہ پھر لڑائی ہوئی تو اس وقت بیٹی دو ماہ کی ہو چکی تھی۔ امتحان دینے کی اجازت نہیں مل رہی تھی، خاوند کے ملازمت پر جانے کے بعد گھر والوں نے امتحان دینے کے لیے سرال بھیج دیا۔ ٹیلی فون پر لڑائی ہو گئی اور پھر یہ الفاظ کہے گئے:

خاوند: میں تجھے کاغذ دے دوں گا، ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ کاغذ کل تمہارے گھر پہنچ جائیں۔

عورت: مجھے کہا گیا کہ تجھے کاغذ دے دوں گا۔ تمہارے گھر طلاق نامہ آ جائے گا اور تجھے فارغ کر دوں گا اپنے گھر والوں کے پاس رہ، ان کو بھی پتا چل جائے۔ اسی دوران ثناء اللہ کے دادا کو علم ہوا تو اس نے معاملہ درست کروا دیا اور خاوند نے بیوی کو امتحان دینے کی اجازت دے دی۔ امتحان دینے کے بعد وہ اپنے خاوند کے گھر آ گئی۔ دسمبر ۲۰۱۲ء کو عورت اپنے بھائی کے ہمراہ والدین کو ملنے گئی،

کسی شادی میں شرکت وجہ لڑائی بنی، خاوند کے والدین کے ساتھ شادی میں شرکت کے بعد واپس اپنے گھر آئی تو ۲۴ دسمبر کو اسی رات خاوند نے غصہ نکالنا شروع کر دیا، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ ثناء اللہ نے کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں جب دوسری بار کہنے لگا تو بیوی نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ چند منٹ بعد بیوی نے اپنی غلطی پر معذرت کر لی تو پھر صلح ہو گئی۔

سائل کہتا ہے کہ ہمارے خاندان میں اس بات کا مکمل علم کسی کو نہیں مگر کسی کے سامنے اظہار کرنے پر معلوم ہوا کہ اس طرح طلاق ہو جاتی ہے۔ جب کہ سائل حلفاً بیان کرتا ہے کہ اسے صرف یہ پتا تھا کہ تین مرتبہ اکٹھی طلاقیں دی جائیں تو طلاق واقع ہوتی ہے، اس لیے سائل نے تین بار اکٹھی طلاقیں نہیں دیں، صرف ڈرانا مقصود تھا لیکن غصے میں آ کر طلاق کا لفظ کہہ بیٹھا ہوں۔ مفتی صاحب قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں کہ یہ کتنی طلاقیں ہوئی ہیں؟ اور کیا صلح ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (سائل: ثناء اللہ ولد محمد صدیق، قصور)

جواب: اگر واقعی طلاق نامہ تینوں صورتوں میں حقیقت اصلہ کے عین مطابق ہے، طلاق دہندہ یعنی ثناء اللہ نے ذہنی تحفظات کے پیش نظر کذب بیانی یا دھوکا دہی سے گریزاں رہ کر یہ سوال نامہ پیش کیا ہے تو پھر صورت مسئلہ میں واضح ہو کہ طلاق نامے میں تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی صورت: ”شاید یہ بھی کہہ دیا ہو کہ میں نے تجھے طلاق دی۔“ مفتی چونکہ غیب دان نہیں، لہذا اس کے متعلق حتمی رائے پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کا تعلق طلاق دہندہ ثناء اللہ کے ایمان اور تقوے کے ساتھ ہے کیونکہ اس جملے سے طلاق کے وقوع اور عدم وقوع کا



التطليقة الثالثة، فإما أن يمسكها بمعروف فيحسن صحابتها أو يسرحها بإحسان فلا يظلمها من حقها شيئاً. (تفسير طبري: ٤ / ١٢٨١)

..... "أخرج ابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم عن ابن عباس في الآية قال: إذا طلق الرجل امرأته تطليقتين فليتنقض عهده في الثالثة، فإما أن يمسكها بمعروف فيحسن صحابتها أو يسرحها بإحسان فلا يظلمها من حقها شيئاً. (الدر المنثور: ١ / ٦٢٩)

یعنی امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) نے اس آیت ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکے تو تیسری طلاق کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

"عن ابن مسعود وأُناس من الصحابة في قوله تعالى: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ﴾ وهو الميقات الذي عليها فيه الرجعة فإذا طلق واحدة أو اثنتين فإما يمسك ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها فتكون أحق بنفسها. (الدر المنثور: ١ / ٦٢٩)

یعنی اس آیت شریفہ میں رجوع کی عدت کا بیان ہے جس میں طلاق دہندہ اپنی مطلقہ سے رجوع کر سکتا ہے۔ پس جب وہ ایک طلاق دے دے یا دو طلاقیں دے چکے پھر یا تو معروف طریقے کے ساتھ رجوع کر لے یا پھر شریعت کے مطابق چھوڑ دے تاکہ وہ عدت پوری ہونے کے بعد آزاد ہو جائے۔

(باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ کیجیے)

فیصل ثناء اللہ کے ظن غالب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر وہ اپنے گمان غالب میں "تجھے طلاق دی" کہہ چکا ہے تو یہ طلاق واقع ہو چکی ہے اور اگر اس نے اپنے گمان غالب میں یہ جملہ "تجھے طلاق دی" نہیں کہا تو پھر یہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وہ اس طلاق کے وقوع اور عدم وقوع کا خود ذمہ دار ہے، مفتی ہرگز ذمہ دار نہیں۔

دوسری صورت: "میں تجھے کاغذ (طلاق) دے دوں گا، ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ کاغذ (طلاق) کل تمہارے گھر پہنچ جائے۔" یہ محض طلاق کی دھمکی ہے اس لیے طلاق نہیں ہوئی۔ کیونکہ جملہ انشائیہ ہے جس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال مساوی ہوتا ہے جب کہ وقوع طلاق کے لیے جملہ خبریہ کا بولنا ضروری ہے، یعنی یوں بولنا یا لکھنا کہ میں تجھے طلاق دے چکا ہوں یا تجھے طلاق دیتا ہوں۔ لہذا اگر اس نے اس دھمکی کے بعد کاغذ (دیہاتی عرف میں طلاق کو کاغذ کہا جاتا ہے) نہیں بھیجا تو دوسری طلاق واقع نہیں ہوئی۔

تیسری صورت: ثناء اللہ نے کہا: "میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔" یہ طلاق شرعاً بالاتفاق واقع ہو چکی ہے کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے، لہذا پہلی صورت میں ظن غالب پر مبنی پہلی طلاق ہے۔ تیسری صورت، یعنی ۲۴ دسمبر ۲۰۱۲ء والی طلاق دوسری طلاق ہے۔ یوں وقفے وقفے سے ۲ رجعی طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور رجعی طلاقوں کی عدت پوری ہونے تک نکاح قائم اور بحال رہتا ہے۔ چونکہ سوال نامے کی تصریح کے مطابق دونوں رجوع عدتوں کے اندر اندر کیے گئے ہیں، لہذا یہ رجوع شرعاً جائز ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمَسَّاكَ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٍ

بِاِحْسَانٍ﴾ [البقرة: ۲۲۹]

"رجعی طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔"

..... "عن ابن عباس ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمَسَّاكَ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٍ بِاِحْسَانٍ﴾ قال: إذا طلق الرجل امرأته تطليقتين فليتنقض عهده في الثالثة، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها فتكون أحق بنفسها. (الدر المنثور: ١ / ٦٢٩)



## عہد نبوی میں قرآن مجید کی تدوین و ترتیب

مولانا سید بدرالدین علوی

الترتيب الذي هو الآن في مصاحفنا بتوقيف جبريل إياه على ذلك وإعلامه عند نزول كل آية أن هذه الآية تكتب عقب آية كذا في سورة كذا. (الاتقان، ص: ۱۴۴، ۱۴۵) یعنی امام بغوی نے اپنی کتاب ”شرح السنة“ میں لکھا ہے کہ صحابہ نے دو پٹھوں کے اندر اسی قرآن کو لکھا جس کو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا، جیسا انھوں نے سنا ویسا ہی لکھ لیا، نہ اس میں کسی چیز کو آگے رکھا اور نہ کسی چیز کو پیچھے کیا اور نہ کوئی ایسی ترتیب دی کہ جس کو رسول اللہ ﷺ سے حاصل نہ کیا ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو قرآن اسی ترتیب پر تلقین کر دیتے تھے جو اس وقت ہمارے نسخوں میں ہے۔ اور یہ اس طور پر تھا کہ جبریل بہ وقت نزول آپ ﷺ کو بتلا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں آیت کے بعد فلاں سورہ میں لکھی جائے۔“

۳: ابن الحصار فرماتے ہیں:

”ترتيب السور ووضع الآيات مواضعها إنما كان بالوحي وكان رسول الله ﷺ يقول: ((ضعوا آية كذا في موضع كذا.)) فقد حصل اليقين من النقل المتواتر بهذا الترتيب من تلاوة رسول الله ﷺ ومما أجمع الصحابة على وضعه.“

(الاتقان، ص: ۱۴۵)

”سورتوں کی ترتیب اور آیتوں کی جگہیں وحی کے ذریعے

عہد نبوی کی ترتیب سے موجودہ قرآن کی ترتیب کی مطابقت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اکابر علمائے اسلام جو مختلف قوموں فرقوں اور زمانوں میں گزرے ہیں، شروع سے آخر تک اس بات کے قائل رہے ہیں کہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جمع ہو چکا تھا اور اس کی آیتیں اور سورتیں خود آنحضرت ﷺ نے مرتب فرمائی تھیں اور پھر اسی ترتیب کے ساتھ وہی مجموعہ بہ ذریعہ تواتر مسلمانوں میں برابر چلا آرہا ہے، ان میں سے بعض علماء کی آراء پیش کی جاتی ہیں:

۱: امام مالک رحمہ اللہ (م ۱۷۹ھ) سے، جو قدیم ترین علماء میں ہیں،

اتقان میں منقول ہے:

”عن ابن وهب قال: سمعت مالكا يقول: إنما ألف القرآن على ما كانوا يسمعون من النبي ﷺ.“ (الاتقان، ص: ۱۴۴)

یعنی قرآن کی تالیف اسی طریقے پر ہوئی ہے جس طریقے پر صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔

۲: امام بغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۰ھ) کا یہ قول بھی ”اتقان“ میں ہے:

”قال البغوي في شرح السنة: الصحابة جمعوا بين الدفتين القرآن الذي أنزله الله على رسوله فكتبوه كما سمعوه من رسول الله ﷺ من غير أن قدموا شيئا أو أخرخوا أو وضعوا له ترتيبا لم يأخذه من رسول الله، وكان رسول الله ﷺ يلقي أصحابه ويعلمهم ما نزل عليه من القرآن على

سے معلوم ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرمادیا کرتے تھے کہ فلاں آیت فلاں جگہ پر لکھو۔ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت اور صحابہ کے اجماع سے جو یہ نقل متواتر ہے، یہ بات بالکل یقینی ہے۔“  
۴: ابوبکر ابن الانباری (م ۳۲۸ھ) کا بیان ہے:

”أنزل الله القرآن كله إلى سماء الدنيا، ثم فوقه في بضع وعشرين سنة فكانت السورة تنزل لأمر يحدث والآية جواباً للمستخبر فيوقف جبريل للنبي ﷺ على موضع الآية والسورة فيانساق السور كانساق الآيات والحروف كله عن النبي ﷺ، فمن قدم سورة أو أخرها فقد أفسد نظم القرآن.“

(الاتقان، ص: ۱۴۵، ۱۴۶)

”اللہ تعالیٰ نے قرآن سارے کا سارا آسمان دنیا پر نازل فرما دیا، پھر بیس سال سے کچھ زیادہ میں اس کو بانٹ دیا، چنانچہ سورت کسی پیش آمدہ واقعے کے لیے اور آیت سائل کے سوال کے جواب میں اترتی تھی تو جبریل آنحضرت ﷺ کو آیت اور سورت کی جگہ بتلا دیتے تھے، اس لیے سورتوں کی ترتیب بھی مثل آیتوں کی ترتیب کے رسول اللہ ﷺ کی مرتب کردہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی سورت کو مقدم یا مؤخر کرے گا تو وہ نظم قرآنی کو بگاڑ دے گا۔“

۵: برہان الدین ابوالقاسم محمود بن حمزہ بن نصر الکرمانی المقرئ الشافعی (صاحب کتاب ”البرہان فی توجیہ متشابہ القرآن“ متوفی بعد ۵۰۰ھ کذا فی کشف الظنون) فرماتے ہیں:

”ترتیب السور ہکذا ہو عند اللہ فی اللوح المحفوظ علی هذا الترتیب وعلیہ کان النبی ﷺ یعرض علی جبریل کل سنة ما کان یجتمع عنده فیہ وعرضه علیہ فی السنة

التي توفي فيها مرتين.“ (الاتقان، ص: ۱۴۶) یعنی کرمانی نے اپنی کتاب ”برہان“ میں لکھا ہے کہ سورتوں کی ترتیب اسی طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں لوح محفوظ میں ہے اور اسی ترتیب کے مطابق آنحضرت ﷺ ہر سال جبریل سے جمع شدہ قرآن کا دور کرتے تھے جو آپ ﷺ پر اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا۔ سال وفات میں دوبار حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دور ہوا۔

۶: طیبی (م ۹۸۱ھ) فرماتے ہیں:

”أنزل القرآن أولاً جملة واحدة من اللوح المحفوظ إلى السماء الدنيا، ثم نزل على حسب المصالح، ثم أثبت في المصاحف على التأليف والنظم المثبت في اللوح المحفوظ.“ (الاتقان، ص: ۱۴۶)

”قرآن پہلے مجموعی طور پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا، پھر ضرورت کے مطابق نازل ہوتا رہا، پھر اسی ترتیب کے مطابق، جو لوح محفوظ میں ہے، مصاحف میں لکھا گیا۔“

۷: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن زبیر الغرناطی (م ۷۰۸ھ) فرماتے ہیں:

”الآثار تشهد (له) كقوله: ((اقرأ والزهر اوين البقرة وآل عمران.)) رواه مسلم. وكحديث سعيد بن خالد: ”صلى رسول الله ﷺ بالسبع الطوال في ركعة.“ رواه ابن أبي شيبة في مصنفه وفيه أنه كان يجمع المفصل في ركعة. وروى البخاري عن ابن مسعود أنه قال في بني إسرائيل والكهف ومريم وطه والأنبياء: ”إنهن من العتاق الأول وهن من تلادي.“ وذكرها نسقاً كما استقر ترتيبها. وفي البخاري أنه عليه السلام كان إذا أوى إلى فراشه كل ليلة

جمع كفيه ثم نفث فيها يقرأ: قل هو الله أحد والمعوذتين .“ (الاتقان، ص: ۱۴۷)

”بہت سی حدیثیں ترتیب کی شہادت دیتی ہیں، مثلاً: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو چمکتی ہوئی سورتیں بقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔“ اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اسی طرح سعید بن خالد کی یہ حدیث کہ آنحضرت ﷺ نے سات بڑی بڑی سورتیں ایک رکعت میں پڑھیں۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی ”مصنف“ میں روایت کیا ہے۔ اسی کتاب میں ایک اور بھی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ مفصل سورتوں کو ایک ہی رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ بخاری نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورت بنی اسرائیل اور کہف اور مریم اور طہ اور انبیاء یہ سب کی سب اعلیٰ درجے کی سورتیں ہیں اور یہ میرا مال موروثی ہیں۔ اس طرح ان سورتوں کا ذکر اسی ترتیب سے فرمایا جس ترتیب کے ساتھ آج وہ ہیں۔ بخاری میں یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رات کو جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تھے تو اپنی ہتھیلیوں کو ملا کر قل هو الله اور معوذتین پڑھ کر پھونکتے تھے۔“

۸: ابو جعفر النحاس (م ۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

”المختار أن تأليف السور على هذا الترتيب من رسول الله لحديث واثلة: ((أعطيت مكان التوراة السبع الطوال ..... إلخ)) قال: فهذا الحديث يدل على أن تأليف القرآن مأخوذ عن النبي ﷺ وأنه من ذلك الوقت، وإنما جمع في المصحف على شيء واحد لأنه قد جاء هذا الحديث بلفظ رسول الله على تأليف القرآن، قال: ومما يدل على أن ترتيبها توقيفي ما أخرجه أحمد وأبو داود

عن أوس بن أبي أوس حذيفة الثقفی قال: كنت في الوفد الذين أسلموا من ثقيف ..... إلخ . قال: فهذا يدل على أن ترتيب السور على ما هو في المصحف الآن كان على عهد رسول الله . قلت: ومما يدل على أنه توقيفي كون الحواميم رتبت ولاء وكذا الطواسين، ولم يرتب مسبحات ولاء بل فصل بين سورها وفصل بين طسم الشعراء وطسم القصص بطس مع أنها أقصر منها، ولو كان الترتيب اجتهاديا لذكرت المسبحات ولاء وأخرت طس عن القصص . (الاتقان، ص: ۱۴۷، ۱۴۸)

”صحیح بات یہی ہے کہ سورتوں کی یہی ترتیب رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی ہے، جیسا کہ حدیث واثلہ سے معلوم ہوتا ہے (یہ حدیث پہلے ذکر کی جا چکی ہے)۔ یہ حدیث صاف بتلائی ہے کہ قرآن کی ترتیب آنحضرت ﷺ سے معلوم ہوئی تھی اور وہ اسی وقت کی ہے اور اس وقت کا قرآن اسی ترتیب پر ہے، اس لیے کہ یہ حدیث ترتیب قرآن کے متعلق خود آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں ہے۔ ابو جعفر یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کی ترتیب توفیقی ہونے پر اوس ابن ابی اوس کی روایت بھی دلالت کرتی ہے (یہ روایت بھی اوپر گزر چکی ہے)۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک سورتوں کی ترتیب کے توفیقی ہونے پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حم سے شروع ہونے والی سورتیں مرتب لائی گئی ہیں اور اسی طرح سے طس والی بھی لیکن یسبح یا سبح سے شروع ہونے والی سورتیں ترتیب وار نہیں ہیں بلکہ اُن کے اندر فصل واقع ہے۔ اسی طرح طسم، سورہ شعراء، و طسم سورہ قصص کے بیچ میں طس ہے، حالانکہ وہ ان دونوں سے چھوٹی ہے۔ اس لیے اگر ترتیب اجتهادی ہوتی تو مسبحات ترتیب وار

لائی جاتیں اور طسّ سورہٴ قصص سے پیچھے لائی جاتی۔“  
۹: ابن حزم (م ۴۵۶ھ) کا بیان ہے:

”والقول بأن تقسیم آیات القرآن و ترتیب مواضع سورہ شیء فعلہ الناس لیس ہو من أمر رسول اللہ، فقد کذب هذا الجاهل و افک اتراه، ما سمع قول الله تعالى: ﴿مَا تَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾ و قول رسول الله في آية الكرسي وآية الكلاله، والخبر أنه ﷺ كان يأمر إذا نزلت الآية أن تجع في سورة في موضع كذا. ولو أن الناس رتبوا سورة لما تعدوا أحد وجوه ثلاثة: إما يرتبونها على الأول فالأول نزولا، أو الأطول فما دونه، أو الأقصر فما فوقه. فإذ ليس كذلك فقد صح أنه أمر رسول الله ﷺ لا يعارض عن الله عز وجل لا يجوز غير ذلك أصلا.“ (كتاب الفصل: ۴ / ۲۲۱)

”جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ آیات قرآنی اور اس کی سورتوں کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور نہ اس کے رسول کے حکم سے تو ایسا شخص جاہل اور بہتان باندھنے والا ہے، کیا اس شخص نے یہ آیت نہیں سنی: ”جو آیت بھی ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اس کے عوض اس سے بہتر یا اس جیسی لا دیتے ہیں۔“ اور آنحضرت ﷺ نے آیہ الکرسی اور آیہ الکلالہ کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کے علم میں نہیں ہے! حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو فرماتے: ”یہ آیت فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھ دی جائے۔“ اگر لوگوں نے قرآن کو ترتیب دیا ہوتا تو وہ اس کے تین ہی طریقے اختیار کرتے: یا بہ ترتیب نزول مرتب کرتے۔ یا پہلے بڑی سورتیں رکھتے، اس کے بعد چھوٹی۔ یا پہلے چھوٹی رکھتے، اس کے بعد بڑی۔ لیکن جب یہ صورت نہیں ہے تو یقیناً

آنحضرت ﷺ ہی کے حکم سے مرتب ہونا ثابت ہے۔ اور یہ چیز خدا کی جانب سے ہونے کے معارض نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات ہرگز صحیح نہیں ہے۔“

یہی ابن حزم قرآن مجید کے نسخوں کے متعلق رقم طراز ہیں:

”مات رسول الله ﷺ والإسلام قد انتشر وظهر في جميع جزيرة العرب من منقطع البحر المعروف و ببحر القلزم مارا إلى سواحل اليمن كلها إلى بحر فارس إلى منقطعه مارا إلى الفرات ثم على ضفة الفرات إلى منقطع الشام إلى بحر القلزم وفي هذه الجزيرة من المدن والقرى ما لا يعرف عدده إلا الله كاليمن والبحرين وعمان ونجد وجبل طي وبلاد مضر وربيعة وقضاة والطائف ومكة كلهم قد أسلم وبنوا المساجد ليس فيها مدينة ولا قرية ولا حلة لأعراب إلا وقد قرئ فيها القرآن في الصلوات وعلمه الصبيان والرجال والنساء وكتب، ثم ولي أبو بكر ستين وستة أشهر فغزا فارس والروم وفتح اليمامة وزادت قراة الناس للقرآن ولم يبق بلد إلا وفيه المصاحف، ثم مات أبو بكر و ولي عمر ففتحت بلاد الفرس طولا وعرضا وفتحت الشام كلها والجزيرة ومصر كلها ولم يبق بلد إلا وبنيت فيه المساجد ونسخت فيه المصاحف وقراء الأئمة القرآن وعلمه الصبيان في المكاتب شرقا وغربا وبقي كذلك عشرة عوام وأشهر ..... وإن لم يكن عند المسلمين إذ مات عمر مائة ألف مصحف من مصر إلى العراق إلى الشام إلى اليمن فما بين ذلك فلم يكن أقل.“

(كتاب الفصل: ۲ / ۷۸)

حکم سے ہے۔“

۱۱: مولوی سید محمد صاحب مجتہد شیعہ ”تنزیہ الفرقان“ میں مولوی سید مرتضیٰ علم الہدی سے نقل کرتے ہیں:

”إن القرآن كان على عهد رسول الله  
مجموعاً مؤلفاً على ما هو عليه الآن.“ (بہ  
حوالہ ”تاریخ القرآن“ از مفتی عبد اللطیف،  
ص: ۱۰۱، مطبوعہ رحمانیہ مونگیر)

”قرآن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی طرح مرتب  
اور لکھا ہوا تھا جیسا کہ وہ آج ہے۔“

۱۲: محمد بن حسن حر عاملی شیعہ لکھتے ہیں:  
”ہر کسے کہ تتبع اخبار و تفصیل تواریخ و آثار نمودہ بعلم یقینی  
میداند کہ قرآن در غایت و اعلیٰ درجہ تواتر بودہ و آلا ف صحابہ  
حفظ و نقل می کردند، آن در عہد رسول خدا مجموع و مولف  
بود۔“ (تاریخ القرآن ص: ۱۰۴)

”جس کسی نے بھی تاریخ و احادیث پر غور کیا ہے وہ یقیناً جانتا  
ہے کہ قرآن تواتر کے اعلیٰ درجے پر ہے، ہزاروں صحابی اس کو  
یاد بھی کرتے تھے اور دوسروں تک پہنچاتے بھی تھے اور یہ کہ وہ  
خود آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مرتب طور پر لکھا ہوا تھا۔“  
غرض عہد نبوی میں قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کی ترتیب اور  
اُس کی کتابی تدوین ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ اس میں کسی شبہ کی  
گنجائش نہیں ہے۔

### ضرورتِ رشتہ

۲۵/۴۰ سالہ سلفی عالم دین، بیوی فوت، ذاتی اچھا  
خاصا کتب خانہ موجود، کے لیے ۳۵/۳۰ سالہ خاتون،  
فاضلہ عالمہ یا کوئی سلفی اچھے گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ نمبر: 0300-6425043

”جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو اسلام سارے جزیرہ  
عرب میں پھیل چکا تھا، بحر قلزم سے لے کر ساحل یمن تک  
اور بحر فارس سے فرات تک۔ اور اس جزیرے میں بے شمار  
شہر اور گاؤں بسے ہوئے تھے، مثلاً: یمن، بحرین وغیرہ جہاں  
کے تمام باشندے اسلام لاپچھے تھے جنہوں نے مسجدیں بنالی  
تھیں۔ اور کوئی شہر، کوئی گاؤں، کوئی محلہ ایسا نہ تھا جہاں  
نمازوں میں قرآن نہ پڑھا جاتا ہو۔ بچے مرد اور عورتیں  
سب ہی اس کو حاصل کرتے تھے اور وہ لکھا بھی جاتا تھا۔ پھر  
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ڈھائی برس خلیفہ رہے، انہوں نے فارس  
و یمن پر حملے کیے، یمامہ فتح کیا اور قرآن کی قراءت لوگوں  
میں زیادہ پھیلی۔ کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں قرآن کے نسخے نہ  
ہوں۔ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے  
زمانے میں ایران کے طول و عرض اور پورے شام و مصر کو فتح  
کیا۔ ان ملکوں میں بھی کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں مسجدیں نہ بنی  
ہوں اور قرآن مجید کے نسخے نہ لکھے گئے ہوں۔ مساجد کے  
امام قرآن پڑھتے تھے، لڑکے مکتبوں میں شرق سے غرب  
تک قرآن حاصل کرتے تھے۔ یہ حالت دس برس اور چند  
ماہ رہی اور جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا ہے اس  
وقت مصر سے لے کر عراق و شام و یمن وغیرہ میں قرآن مجید  
کے کم سے کم ایک لاکھ نسخے رہے ہوں گے۔“

۱۰: ملا عبد العلی بحر العلوم شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں:

”أجمع أهل الحق على أن ترتيب آي كل  
سورة توقيفي بأمر الله وبأمر الرسول .....  
والمحققون على أن ترتيب السور من أمر  
رسول الله ﷺ.“ (کتاب مذکور: ۱۱/۲، ۳۱)  
”اہل حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر سورت کی آیتوں کی  
ترتیب خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہے۔ اور محققین کا  
مذہب یہ ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت ﷺ کے



## فلسفہ الہیات اور امام رازی رحمہ اللہ

## نقد و نظر کے آئینے میں

موہب الرحیم

رازی کو امام کے لقب سے متصف کرتا ہے بلکہ ان کی کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جو فلسفہ اور علم کلام پر دسترس تو رکھتے ہیں مگر اس سے متاثر نہیں وہ بھی آپ کے علم کے قائل ہیں، مثلاً: ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن الوزیر (م ۸۴۰ھ)۔

تاج الدین سبکی (ولد السبکی) شافعی اشعری (م ۷۷۱ھ) نے آپ کو مجددین میں شمار کیا ہے۔ (معید النعم و مبیید النقم، ص: ۷۸)

جو شخص علم کلام اور فلسفے میں اس قدر ماہر ہو اور پھر اپنے نفس پر گواہی دے کہ اس کو شفا نہیں مل سکی اور نہ ہی اللہ کے بارے یقین حاصل ہوا ہے اس کے باوجود کہ وہ استدلال و نظر کی شان دار صلاحیت رکھتا ہے تو وہ شخص جو اس درجے کا نہیں، الہیات کے بارے فلسفہ اور علم کلام اسے کیا فائدہ دے گا!

متکلمین حضرات عقل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں کہ اللہ پر واجب، جائز اور ممتنع کیا ہے۔ عقل کو نقل پر مقدم کرنے والے ان متکلمین اور ہم میں اس بات کا اتفاق ہے کہ اللہ کی معرفت عظیم ترین اور اجل ترین علوم سے ہے اور اس کی عظمت و جلالت شان متعدد وجوہ سے ثابت ہے، سر دست اس پر ہم گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ مقصود ہمارا یہ ہے کہ اگر اس علم کی تبلیغ ہی رسول اللہ ﷺ نے نہیں کی تو گویا آپ ﷺ نے دین کے اصولوں کو اور سب سے نفع بخش علم کو بیان نہیں کیا۔

معلوم ہی ہے کہ انسان نہ دیکھی ہوئی چیزوں کو یا تو خبر سے پہچانتا ہے یا نظر و استدلال کے ذریعے۔ ان دو کے علاوہ ایک تیسرا ذریعہ بھی ہے جو اس داعی سے عبارت ہے جو نفس میں خود بخود پیدا ہو جاتا ہے،

محمد بن عمر ابو عبد اللہ المعروف بابن خطیب الري الملقب بفخر الدین الرازی صاحب التفسیر الکبیر المسمی بمفاتیح الغیب (م ۶۰۶ھ) اپنے دور کے بہت بڑے متکلم گزرے ہیں۔ علم کلام پر اشاعرہ کی طرز میں اچھی خاصی دسترس رکھتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ فلسفے پر بھی گہری نظر تھی۔ اپنی کتاب ”ذم لذات الدنیا“، جو انھوں نے عمر کے آخر ۶۰۴ھ میں تصنیف کی، میں ندامت کا اظہار کرتے ہیں اور برملا اعتراف کرتے ہیں کہ کلامی طریقے سے اللہ کی معرفت اور اسماء و صفات کے بارے میں تشفی نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ ایک متکلم کی گواہی ہے اس لیے اس سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے مگر اس سے قبل یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ اپنے اس میدان میں فخر الدین رازی کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ رازی کی کتب، مثلاً: المطالب العالیۃ فی علم الإلهی، أساس التقدیس، أربعین، محصل افکار المتقدمین والمتأخرین اور جابجا تفسیر میں بکھری کلامی بحثیں ان کی مہارت کی گواہی دیتی ہیں۔ اشاعرہ تو اشاعرہ فلسفے میں دسترس رکھنے والے لوگ اور فلسفے سے متاثر لوگ بھی آپ کے علم کے قائل ہیں، چنانچہ حسن بن محمد خواجہ طوسی رافضی (م ۶۷۲ھ) ابن سینا کی کتاب ”الإشارات والتنبیہات“ کی شرح کے مقدمے میں لکھتا ہے:

”اگرچہ مجھ سے پہلے الفاضل العلامہ فخر الدین رازی اس کی

شرح کر چکے ہیں۔“ (شرح الإشارات للطوسی: ۱۱۲/۱)

خواجہ طوسی کا شاگرد میثم بن علی بن میثم (م ۶۹۹ھ) اپنی کتاب

”قواعد المرام فی علم الکلام“ (ص: ۷۳) میں علامہ

جیسے بھوک کہ اس کے لیے نظر واستدلال اور خبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں ہم اس پر بات نہیں کریں گے۔

پہلے طریقے کے لیے لازمی ہے کہ خبر دینے والا سچا ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر سچا کون ہے بلکہ آپ ﷺ صادق و مصدوق ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ کے متعلق قرآن کی صورت میں مفصل طور پر خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

[الحشر: ۲۲-۲۴]

”وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چھپی اور کھلی چیز کو جاننے والا ہے، وہی بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنی مرضی چلانے والا، بے حد بڑائی والا ہے، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو خاکہ بنانے والا، گھڑنے ڈھالنے والا، صورت بنا دینے والا ہے، سب اچھے نام اسی کے ہیں، اس کی تسبیح ہر وہ چیز کرتی ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“

اس کے علاوہ دیگر مسجات کی ابتدائی آیات اور سورہ اخلاص وغیرہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق خبریں موجود ہیں۔

پھر ان امور کی بھی خبر دی ہے جو اللہ نے اپنے اوپر واجب کیے ہیں، مثلاً:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ [الأنعام: ۵۴]

”تمہارے رب نے رحم کرنا اپنے آپ پر لازم کر لیا ہے۔“ اور جو امور اللہ نے اپنے اوپر حرام کر رکھے ہیں ان کے متعلق بھی خبر دی ہے:

﴿مَا يَسْأَلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ﴾ [ق: ۲۹]  
”میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی۔“

اور حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”يا عبادي! اني حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرما فلا تظالموا.“

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۷۷)

”اے میرے بندو! میں نے خود پر ظلم کو حرام کر رکھا ہے اور تم پر بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے، پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔“

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُوتِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ﴾

[ال عمران: ۲۶]

”کہہ دے: اے اللہ! بادشاہی کے مالک! تُو جسے چاہے بادشاہی دیتا ہے۔“

﴿يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ [مدثر: ۳۱]

”اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔“

﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [البقرة: ۲۹]

”اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

﴿وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [المائدة: ۱۲۰]

”اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

صفات ذاتیہ اور صفات خبریہ کی جو تقسیم متکلمین نے کر رکھی ہے، ہر دو قسم کے متعلق مفصل طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے خبر دی ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ [النساء: ۱۶۴]

”اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، خود کلام کرنا۔“

الہیات میں اس کے کلام سے شفا نہیں ہوتی، حماقت ہے۔ ہم میں سے کوئی بسا اوقات اپنے معانی کو دوسرے تک پہنچانا چاہتا ہے مگر ان معانی کو تعبیر کرنے کے لیے اس کے پاس الفاظ نہیں ہوتے، یا وہ جن الفاظ سے ان معانی کی تعبیر کر رہا ہوتا ہے وہ الفاظ صحیح طور پر ان معانی کی ترجمانی نہیں کرتے جب کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ ایسا نہیں کہ آپ ﷺ جو معانی واضح کرنا چاہیں ان کے مطابق لفظ نہ کہہ سکیں یہ بات ممکن نہیں۔ سو آپ ﷺ کی خبر سے بڑھ کر کوئی خبر حقیقت کے مطابق نہیں اور آپ ﷺ کی خبر سے زیادہ کوئی خبر واضح نہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّا أُمَّةٌ أَمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا.)) (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۹۱۳) ”ہم ان پڑھ امت ہیں، نہ لکھ سکتے ہیں نہ حساب کر سکتے ہیں، مہینوں ہوتا ہے۔“

اس فرمان کے باوجود آپ ﷺ ان پڑھ امت کو کس طرح مفصل طور پر اللہ کی صفات کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ اس کے ہاتھ ہیں، چہرہ ہے، مستوی علی العرش ہے، ہنستا ہے، ناراض ہوتا ہے، غصہ کرتا ہے، خوش ہوتا ہے، انتقام لیتا ہے وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ضروری نہیں بلکہ تکلف ہے کہ انسان جو ہر اور عرض کے بارے میں سمجھے کہ کیا ہے؟ حدوث قدیم ذات میں محال ہے؟ عرض دوزمانے قائم نہیں رہتا، جہت سے متحیز ہونا لازم آتا ہے وغیرہ۔ صفات کو سمجھنے کے لیے اس حدیث سے پتا چلتا ہے ان اصطلاحوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ جس قوم سے مخاطب ہیں وہ تو حساب بھی نہیں جانتی جو فلسفہ اور جدید تقسیم کے مطابق سائنس کے صحیح ترین علوم میں سے ہے چہ جائیکہ وہ ان دقیق اور پیچیدہ اصطلاحوں کو پہچاننے ہوں جو یونانیوں سے ماخوذ ہیں۔

نہ نظر آنے والی چیزوں کو جاننے کا دوسرا طریقہ استدلال ہے، قرآن کریم ہمیں اس کی دعوت دیتا ہے:

﴿أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾

﴿وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَهُمْ﴾ [المجادلة: ۱]

”یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی۔“

﴿وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ﴾ [الرعد: ۱۱]

”اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کر لے تو اسے ہٹانے کی کوئی صورت نہیں۔“

اور اس جیسی دوسری آیات۔

اور صفات خبریہ کے متعلق، جیسے فرمایا:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [طہ: ۵]

”وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔“

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ [ہود: ۳۷]

”اور ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا۔“

﴿أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ﴾ [ص: ۷۵]

”تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا؟“

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ [الرحمان: ۲۶، ۲۷]

”ہر ایک جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والا ہے۔ اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ [المتحنہ: ۱۳]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کو دوست مت بناؤ جن پر اللہ غصہ ہو گیا۔“

اور اس جیسی دوسری آیات۔

یہ بات جان لینے کے ساتھ کہ خبر دینے والا سچا ہے، بلکہ سرتا پانچ ہے ساتھ میں یہ بھی علم ہو کہ وہ بیان پر زبردست قدرت رکھتا ہے، مخلوق کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور چھوٹی سے چھوٹی خیر کی بات بھی اپنی امت سے چھپانے والا نہیں ہے۔ یہ جان کر بھی یہ سمجھنا کہ

[الغاشیہ: ۱۷]

”تو کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے۔“

..... ﴿وَأَوْ لَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ﴾

[الأعراف: ۱۸۵]

”اور کیا انھوں نے نگاہ نہیں کی آسمانوں اور زمین کی عظیم

الشان سلطنت میں۔“

..... ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ

وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ۱۹۰]

”بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور

دن کے بدلنے میں عقلوں والوں کے لیے یقیناً بہت سی

نشانیوں ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی آیات میں غور و فکر کرنے پر ابھارا ہے۔

اور اس استدلال کا نتیجہ رسول اللہ ﷺ کی خبر کے مطابق نکلتا ہے، اسی

لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿سَنُرِيهِمْ آيٰتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ

يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ [فصلت: ۵۳]

یوں خبر اور مشاہدہ، عیان اور قرآن مطابق ہو جاتے ہیں۔

متکلمین کے ہاں جو طریقہ استدلال ہے وہ تکلفات پر مبنی اور ذہن

کو تھکانے والا اور بڑا پیچیدہ ہے، حتیٰ کہ اپنے مدلول سے بھی پیچیدہ

ہے۔ اصول تو یہ ہے کہ دلیل مدلول سے ظاہر ہونی چاہیے لیکن اللہ کے

وجود پر جن طریقوں سے متکلمین استدلال کرتے ہیں وہ طریقے بعض

بعض سے اخفی ہیں۔ ان طریقوں کی ضروری وضاحت آگے آئے گی۔

اب ہم امام رازی کے کلام کی طرف آتے ہیں۔ رسالہ ”ذم

لذات الدنیا“ (ص: ۲۵۲) میں علوم عقلیہ، جو مطلوب بالذات ہیں،

کی بابت لکھتے ہیں، یہ علوم چار انواع میں محصور ہیں: اللہ کی معرفت،

روحانیت کی معرفت، عالم اعلیٰ کی معرفت، عالم اسفل کی معرفت۔

پہلی نوع کے متعلق لکھتے ہیں:

”هو أشرف الأقسام ولكن من الذي وصل

إلى عتبة تلك الحضرة العالیه! ومن الذي

شم رائحة ذلك الجنب المقدس؟ فحاصل

العقول ظنون وحسابات ومنتهى الأمر

أوهام وخيالات .“ (ذم لذات الدنیا، ص: ۲۵۲)

”اللہ کی معرفت سب سے ارفع قسم ہے لیکن کون ہے جو اس

بلند ذات کی چوکھٹ تک پہنچا ہے اور کون ہے جس نے

جنب مقدس کی خوش بو سونگھی ہے؟ عقولوں کا حاصل تو ظنون

اور گمان ہیں اور معاملے کی انتہا وہم اور خیالات ہیں۔“

اس کے بعد چار مجمل وجوہ سے اس بات کو ثابت کرنے کے بعد

تفصیلی وجوہ سے ثابت کیا ہے کہ علوم عقلیہ حاصل کرنا کس قدر مشکل

ہے، مثلاً یہ کہ بسا اوقات دو متعارض دلیلیں جو بدیہی مقدمات کا نتیجہ

ہوتی ہیں، کے بارے فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے باطل

دلیل کون سی ہے۔ چونکہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہیں اس لیے

بدیہی طور پر ان میں سے ایک دلیل غلط ہوتی ہے یوں نفس عقل ہی

میں طعن واقع ہوتا ہے۔

یہاں امام رازی کی ذکر کردہ سب وجوہ کو ذکر کرنا موجب طوالت

ہوگا، شائقین محولہ بالا کتاب کی مراجعت فرمائیں۔

امام رازی کی ان عبارات سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ یہ باتیں لکھتے

وقت و ربط حیرت میں تھے اور بقول ابن تیمیہ رحمہ اللہ: کبھی فلسفہ کی صف

میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی متکلمین کی اور کبھی دونوں کے اصولوں کو

ملا کر نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی دونوں کے درمیان حیران

سے نظر آتے ہیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ تبصرہ بالکل درست ہے۔

”المطالب العالیة“ جو امام فخر الدین رازی کی اجل کتابوں

میں سے ہے، کے شروع میں ایک باب قائم کیا ہے کہ آیا الہیات

میں یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ اس باب میں آپ رحمہ اللہ اس

طرف مائل ہیں کہ یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ”مطالب

العالیة“ ہی کے آخر میں قضاء و قدر کے بارے قدریہ سے مناقشہ

کرتے وقت حیران نظر آتے ہیں۔ ”ذم لذات الدنیا“ میں یہ

ثابت کر رہے ہیں کہ عقل انسانی ویسے ہی مطعون فیہ ہے۔ اور رازی کو یقین کیونکر حاصل ہو جب کہ عقل اور نقل کے تعارض کی صورت میں ان کے ہاں عقل کو مقدم کرنا ضروری ہے۔ دلائل لفظیہ، یعنی قرآن و حدیث بشمول خبر آحاد و متواتر ان کے ہاں کوئی دس وجوہ کی وجہ سے یقین کا فائدہ نہیں دیتے۔ ان دس وجوہ کا بطلان ابن قیم رحمہ اللہ نے ”الصواعق المرسلۃ“ میں ۷۳ وجوہ سے ظاہر کیا ہے، جزاہ اللہ خیرا۔

امام ابن قیم علامہ رازی کے بارے لکھتے ہیں:

”و صدق واللہ فیانہ شک فی ذات رب العالمین هل له ماهیة غیر الوجود المطلق، يختص بها أم ماهیة نفس وجوده الواجب؟ ومات ولم تنحل له عقدتها، وشاک فی صفاته هل هي أمور وجودية أم نسب إضافية عدمية؟ ومات ولم تنحل له عقدتها، وشاک فی أفعاله هل هي مقارنة له أزلا وأبدا لم تزل معه أم الفعل متأخر عنه تأخرا لانهاية لأمد فصار فاعلا بعد أن لم یکن فاعلا؟ ومات ولم یحل له عقدتها.“

(الصواعق المرسلۃ: ۶۶۶/۲)

”رازی نے سچ کہا ہے۔ اللہ کی قسم! رازی رب العالمین کے بارے شک میں پڑے ہوئے تھے کہ کیا اللہ کے لیے وجود مطلق کے علاوہ ماہیت ہے جو اللہ سے خاص ہے یا واجب الوجود کا عین ہی اللہ کی ماہیت ہے؟ رازی فوت ہو گئے مگر ان کے لیے یہ معاملہ حل نہ ہو سکا، اللہ کی صفات کے بارے شک میں تھے کہ کیا یہ وجودی امور ہیں یا عدمی اضافی نسبتیں ہیں؟ وہ فوت ہو گئے مگر یہ گرہ ان کے لیے نہ کھل سکی۔ اللہ کے افعال کے بارے شک میں تھے کہ کیا ازل سے ہی یہ افعال اللہ کے ساتھ تھے یا کہ فعل متاخر ہے اور اس تاخیر کی مدت غیر متناہی ہے کہ اللہ فاعل نہ ہونے کے بعد فاعل ہوا؟ رازی فوت ہو گئے مگر ان کے لیے یہ معمہ حل نہ ہوا۔“

امام رازی کے کلام کی طرف لوٹتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

”وإذا وقفت علی هذه الأحوال صارت اللذات الحسية خسيصة والذات الخيالية مستحقرة. وأما اللذات العقلية فلا سبيل إلى الوصول إليها والقرب منها والتعلق بها، فلهذه الأسباب نقول: ليتنا بقينا على العدم الأول وليتنا ما شاهدنا هذا العالم وليت النفس لم تتعلق بهذا البدن، وفي هذا المعنى قلت“

نهاية أقدام العقول عقل وأكثر سعي العالمين ضلال وارواحنا في وحشة من جسمنا وحاصل ديانا أذى ووبال ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا سوى أن جمعنا فيه قيل وقالوا وكم قد رأينا من رجال ودولة فبادوا جميعا مسرعين وزالوا وكم من جبال قد قدعلت شرفاتها رجال فزالوا والجبال جبال“

(ذم لذات الدنيا، ص: ۲۶۲)

”اور جب تم ان احوال پر (جو علامہ رازی نے ذکر کیے ہیں) اطلاع پاؤ گے تو حسی لذتیں گھٹیا ہو جائیں گی اور خیالی لذتیں (جاہ و مرتبے کی لذتیں) حقیر ہو جائیں گی۔ رہا عقلی لذات کا معاملہ تو ان سے تعلق کا، ان کی قربت کا اور ان تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں، انہی اسباب کی وجہ سے ہم کہتے ہیں: کاش! ہم عدمِ اول پر باقی رہتے، کاش! ہم اس عالم کا مشاہدہ نہ کرتے اور کاش روح کا اس بدن سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ اسی معنی میں میرے یہ اشعار ہیں۔“

(باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ کریں)



محدث سندھ

## مولانا بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد

۲۲

راشدی خاندان اور مسلک اہل حدیث:

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ راشدی خاندان کب سے مسلک اہل حدیث پر عمل پیرا ہے؟ اس کا سراغ علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کے اس انٹرویو سے ملتا ہے جو انھوں نے ماہنامہ صراطِ مستقیم کراچی کو دیا تھا اور یہ انٹرویو مارچ ۱۹۹۵ء میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔ علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی اپنے خاندان کے اہل حدیث ہونے سے متعلق بیان کرتے ہیں:

”اس اعتبار سے اہل حدیث تھا کہ ہمارے خاندان میں کبھی سنت طریقت معلوم ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی نہ کی جاتی۔ جب تک سنت طریقت معلوم نہ ہوتا اس وقت تک مروجہ روایات جو حنفی علماء میں معروف ہوتیں یا جس پر اپنے اسلاف کو دیکھا اس پر عمل کرتے رہتے۔ لیکن جو نئی معلوم ہوتا کہ یہ روایت یا عمل مسنون طریقت کے خلاف ہے، اسی وقت رجوع فرما لیتے۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں، مثلاً: خاندان کے مورث اعلیٰ سید محمد راشد شاہ کا یہ فتویٰ تھا کہ شہروں کی طرح گاؤں میں بھی جمعہ پڑھنا چاہیے۔ حالانکہ اس وقت ملک کے طول و عرض میں، بالخصوص سندھ میں، حنفی علماء کا فتویٰ یہ تھا کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا۔

ہمارے جد امجد نے حدیث و علوم حدیث اور دیگر اسلامی علوم پر کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کر کے ایک لائبریری قائم کی تھی، اس طرح حدیث کی معلومات میں اضافہ ہوا۔ انھوں نے اہل حدیث اور حنفیہ کے مابین معروف اختلافی مسائل

سے متعلق تحقیق کی اور تقریباً سب میں حنفیہ سے اختلاف کیا اور حدیث پر عمل کیا، مثلاً: منی کی طہارت، ہر قسم کی جرابوں پر مسح کا جواز، نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا، فاتحہ خلف الامام، آمین بالجبر، رفع الیدین کا مسنون ہونا، سجدے میں گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھنا، وتر مغرب کی نماز کی طرح نہ پڑھنا بلکہ یا تو بلا بیٹھے تینوں رکعت پڑھنا یا پھر دو رکعت پر بیٹھ کر سلام پھیرنا اور پھر تیسری رکعت علیحدہ پڑھنا، گاؤں میں جمعہ پڑھنا، نکاح میں شہادت و ولایت کا شرط ہونا، تکرار جماعت ثانیہ وغیرہ اور دوسرے مسائل میں انھوں نے حنفیہ سے اختلاف کیا ہے اور مذکورہ مسائل میں سے اکثر پر ان کی کتب و رسائل بھی عربی، اردو، فارسی اور سندھی میں موجود ہیں۔“

راشدی خاندان کا تعارف تو بہت کچھ ہو چکا، اب حضرت العلام سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی دینی، علمی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ معلومات مجھے تذکرہ علمائے اہل حدیث، مجلہ بحر العلوم کے شیخ العرب والجمع نمبر اور رموز راشدیہ سے حاصل ہوئی ہیں۔

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء کو گوٹھ سید فضل اللہ شاہ (موجودہ گوٹھ قدیم پیر جھنڈا) تحصیل ہالا ضلع حیدر آباد (سندھ) میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے: ابو محمد سید بدیع الدین شاہ راشدی بن سید احسان اللہ شاہ بن سید رشد اللہ شاہ بن سید رشید الدین شاہ بن سید محمد یاسین شاہ بن محمد راشد شاہ الراشدی الحسینی۔ (رموز راشدیہ، ص: ۱۱)

پڑھنے میں بڑا شغف رکھتے تھے۔ ان کا جذبہ سچا تھا، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور انھوں نے ذوق و شوق سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ شاہ صاحب کا اپنا بیان ہے کہ بچپن سے یہ عقیدہ دل میں راسخ اور پختہ کیا ہوا تھا کہ قرآن وحدیث کے علاوہ کسی کی بات حجت یا دلیل نہیں اور وحی الہی کے مقابل ہر قول و فعل مردود ہے۔

(رموز راشدیہ، ص: ۱۷۱)

شاہ صاحب کی عمر ۲۰ سال کے لگ بھگ ہو گئی کہ وہ مختلف دینی علوم میں رسوخ پیدا کر چکے تھے۔ انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں، ذہانت و فطانت، بے مثال قوت حافظہ اور وسعت مطالعہ سے بڑے بڑوں کو حیران کر دیا تھا۔ وہ اخاذ ذہن رکھتے تھے، جو پڑھتے حافظے کی گرفت میں مضبوطی سے آ جاتا۔ کسی کی علمی قابلیت سے ذرا مرعوب نہ ہوتے، جو مسئلہ کھٹکتا فوراً پوچھ لیتے۔ ان کے اساتذہ کرام میں زیادہ تعداد حنفی اساتذہ کی ہے۔ جن سے شاہ صاحب نے اکتساب علم کیا ان کے نام یہ ہیں: مولوی محمد امین کچھی، ماسٹر عبدالکریم، مولوی محمد اسماعیل بن عبدالخالق افغانی سندھی، مولوی ولی محمد کیریہ، مولوی محمد عمر، مولوی محمد خلیل لدھیانوی، مولوی محمد عبداللہ کھڑی، مولوی شفیق محمد سکرٹڈی، مولوی عبدالرحمن رام پوری، حافظ محمد امین منوہ کچھ بھج، مولوی محمد ایوب افغانی، مولانا محمد مدنی، مولانا محمد سلطان کوریچہ، مولوی محمد نور عیسیٰ خیلوی، مولوی قطب الدین ہالچوی، مولوی بہاء الدین جلال آبادی، مولوی ولی محمد مانگی، مولوی محمود احمد لدھیانوی اور مولانا سید محمد حبیب اللہ شاہ راشدی۔

اساتذہ کرام کی اس فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ راشدی خاندان کی طرف سے قائم کردہ مدرسہ دارالرشاد کتنا بڑا ہوگا کہ جس میں مختلف بلاد و اقصاء سے تعلق رکھنے والے مدرسین فریضہ تدریس سرانجام دیتے تھے اور اس مدرسے میں دور دراز علاقوں کے طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔

اپنے خاندانی مدرسے سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ علمائے اہل حدیث کی خدمت میں حاضر ہوئے، چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے مولانا عبدالحق بہاول پوری رحمہ اللہ کے باب

شاہ صاحب کا سلسلہ نسب چالیسویں پشت میں حضرت حسین رحمہ اللہ سے جا ملتا ہے، اس لیے آپ حسینی بھی کہلاتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو گھر کے ماحول کو اسلامی تعلیم کا گہوارہ پایا۔ ان کے والد سید احسان اللہ شاہ رحمہ اللہ زہد و ورع میں مثالی تھے اور انھوں نے اپنے ارد گرد کے ماحول پر بھی اپنی نیکی، شرافت اور علم و عمل سے گہرا نقش ثبت کیا تھا۔ علامہ بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ نے اس ماحول میں دینی تعلیم کا حصول شروع کیا۔ انھوں نے اپنی مکمل دینی تعلیم اپنے خاندانی مدرسہ دارالرشاد میں رہ کر مکمل کی۔ ناظرہ قرآن مجید ایک سال میں پڑھا، پھر دو سال سندھی زبان کی کتابیں پڑھیں اور دو سال میں فارسی زبان بوستان تک پڑھی۔ عربی زبان و ادب کی تعلیم اور دینی علوم کی تحصیل چھ سال میں کی۔

شروع میں کتابیں اپنے والد سید احسان اللہ شاہ رحمہ اللہ کی ہدایت کے مطابق پڑھیں۔ آپ کی عمر ۱۳ سال کے لگ بھگ ہو گئی کہ والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ان کی رحلت کے بعد کتابوں کا انتخاب کچھ اپنے ذوق اور باقی استادوں کے مشورے سے کیا۔ قرآن مجید کا ترجمہ، تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی، حدیث میں اربعین نووی، بلوغ المرام، مشکاة المصابیح، پھر کتب ستہ، موطا امام مالک اور موطا امام محمد اور شرح معانی الآثار للطحاوی کا کچھ حصہ پڑھا۔ فقہ میں ہدایہ تک اور اصول فقہ میں تلویح تک، نحو میں شرح جامی اور تھوڑا حصہ عبدالغفور کا بھی پڑھا۔ صرف میں تمام درسی کتابیں پوری کیں۔

ادب میں مفید الطالین سے لے کر مقامات حریری، سبع معانی اور دیوان مثنوی کا بھی کچھ حصہ پڑھا۔ اصول حدیث میں شرح نخبہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ شرح مرقاة، تہذیب، قطبی، شرح عقائد نسفی، مختصر معانی، محیط الدائرہ، شرح چمنینی اور اقلیدس وغیرہ کے حصے پڑھے۔ یہاں اس امر کا اظہار دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ زمانہ طالب علمی میں جب شاہ صاحب رحمہ اللہ کے دل میں حدیث پڑھنے کا داعیہ پیدا ہوا تو ان کے استاد شیخ محمد خلیل، جو متعصب حنفی تھے، نہیں چاہتے تھے کہ بدیع الدین حدیث پڑھے۔ لیکن شاہ صاحب رحمہ اللہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

علمی پر دستک دی اور ان سے حدیث کی سند لی، پھر آپ حدیث رسول ﷺ کی محبت میں امرتسر چلے گئے۔ وہاں بہت سے نام ور شیوخ فروکش تھے اور ان کا سلسلہ درس و تدریس جاری تھا۔ آپ سب سے پہلے شیخ الاسلام امام المناظرین فاتح قادیاں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سند حاصل کی۔ پھر علامہ حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کی خدمت میں ان کی مسجد مبارک پہنچے اور انھیں بخاری شریف کی دو تین احادیث سنا کر سند اجازہ حاصل کی۔ مدرسہ سلفیہ غزنویہ میں شیخ الحدیث مولانا نیک محمد رحمہ اللہ کی مسند آراستہ تھی، انھیں سنن ابوداؤد کی ابتدائی کچھ احادیث سنائیں۔ شیخ نے امتحان کے طور پر کچھ سوالات پوچھے جن کے صحیح جوابات دینے پر شاہ صاحب رحمہ اللہ کو سند حدیث عطا کر دی گئی۔

قیام پاکستان کے بعد علامہ ابوسعید شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی دعوت پر ان کے مدرسہ دارالرشاد میں استاد بن کر آئے تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان سے استفادہ کیا اور سند حاصل کی۔ اسی طرح کسی زمانے میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اپنے گاؤں میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ سے استفادے کا موقع ملا اور ان سے تیسویں پارے کی بعض سورتوں کا درس لیا۔ اس طرح شاہ صاحب کو اپنے دور کے چوٹی کے اساتذہ اور اکابر علماء سے شرف تلمذ کی سعادت حاصل ہوئی۔

علامہ بدیع الدین صاحب رحمہ اللہ جب عمر عزیز کی بیس منزلیں عبور کر چکے تو وہ ایک محقق اور جید عالم دین کے طور پر معروف ہو چکے تھے اور ان کا علمی شہرہ سندھ کے باہر بھی سنائی دینے لگا تھا۔ اسلامی و دینی علوم سے کامل آگاہی اور پختگی کے بعد شاہ صاحب نے تدریسی، تبلیغی اور تصنیفی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو اس خطے کی تاریخ میں روشن منارے کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

شاہ صاحب نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز اپنی مادر علمی مدرسہ دارالرشاد سے کیا۔ اگرچہ زمانہ طالب علمی میں آپ ابتدائی کلاسوں کے طلباء کو صرف ونحو اور شائل ترمذی پڑھاتے رہے تھے۔ لیکن تحصیل علم کے

بعد انھوں نے مسلسل دو سال تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ پھر حالات نے کروٹ لی اور مخالفین نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ شاہ صاحب نے گوٹھ جھنڈو سے نقل مکانی کر کے نیو سعید آباد کے قریب ”آزاد پیر جھنڈو“ کے نام سے اپنا الگ گاؤں آباد کر لیا۔ وہاں آپ نے اللہ پر توکل کر کے جامعہ محمدیہ کے نام سے عظیم الشان مدرسہ قائم کیا اور اس مدرسے میں فارغ التحصیل طلباء کو حدیث و تفسیر کا درس دیتے رہے۔

۱۹۷۰ء کی دہائی میں آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ طلباء کو تفسیر ابن کثیر اور صحیح بخاری کا درس دیتے تھے۔ قیام مکہ کے زمانے میں دارالحدیث مکہ کی طلب پر شاہ صاحب نے ایک سال وہاں فریضہ تدریس ادا کیا اور دورہ حدیث کرایا۔ اس کے بعد شیخ عبداللہ بن حمید رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ کی طلب پر معہد الحرم میں دو سال تدریس کی۔ اس اثنا میں دوبار آپ کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں لیکچر کے لیے بھی مدعو کیا گیا۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ حرم شریف میں عربی اور اردو میں خطاب بھی فرمایا کرتے تھے۔ ۱۹۷۸ء کے لگ بھگ آپ واپس پاکستان آ گئے تھے، اس کے بعد آپ نے تدریس تو باقاعدہ نہیں کی البتہ جو بھی شائقین علم ان کے باب علمی پر حاضر ہوتے تھے آپ انھیں ضرور پڑھاتے۔

حضرت شاہ صاحب بڑے پائے کے مدرس تھے۔ حدیث، علوم الحدیث، تفسیر، فقہ، منطق، فلسفہ، فن اسماء الرجال اور دیگر اسلامی علوم پر ان کی نظر گہری تھی اور انھوں نے ان علوم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ وہ تمام درسی کتابوں کا مطالعہ کر کے درس دیتے اور طلباء کی طرف سے وارد اعتراضات کا جواب دیتے وقت اس کے تمام پہلو سامنے رکھتے۔ طلباء ان کے طریقہ تدریس سے نہایت متاثر ہوتے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نہایت مشفق اور مہربان استاد تھے۔ وہ ہمیشہ طلباء سے محبت و شفقت سے پیش آتے اور ان کی راہنمائی فرماتے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا تو مشکل ہے لیکن چند معروف تلامذہ جو عرب و عجم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

شیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی، علامہ مقل بن ہادی یمنی، شیخ عاصم

عمر ۱۳، ۱۴ سال کے درمیان تھی، نماز جمعہ کے بعد مجھے زبردستی منبر پر کھڑا کر دیا گیا، ایک طرف علمی بے بضاعتی دوسری طرف لوگوں سے شرم کی بنا پر بولنے کی جرأت نہیں تھی۔ لوگوں کے اصرار پر خطبہ مسنون کے بعد سورہ مومنون کی ابتدائی آیات پڑھ کر ان کی حسب حال تشریح بیان کی جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے اور جناب فضیلۃ الشیخ بھائی صاحب (علامہ محبت اللہ شاہ راشدی، وفات: ۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء) نے انتہائی شفقت و محبت سے خوشی کا اظہار کیا اور داد دی۔ اس کے بعد سلسلہ جاری رہا اور اسی سلسلے سے بعض اہم آیات اور احادیث کے یاد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے میں ارد گرد کے گوشوں اور شہروں میں خطبہ جمعہ کا سلسلہ شروع کیا اور پھر اجلاسوں میں خطاب کرنے کا موقع ملا جو کہ اب تک جاری ہے۔ چونکہ ہماری دعوت توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعات کی تردید سے شروع ہوئی اور اسی موضوع کے لیے وقف تھی، اس لیے مخالفت کا سامنا ہونا لازمی تھا۔ ہمارے ملک میں پیری مریدی کا گھیرا تھا اور جگہ جگہ پیروں کی گدیاں آباد تھیں۔ اسی طرح کئی سال سے لوگوں پر تقلید کا جمود طاری تھا۔ باندریں حالات توحید و سنت کی دعوت دینا اور شرک و بدعت کے خلاف آواز اٹھانا کتنا مشکل اور کٹھن کام ہے اور یہ محتاج بیان نہیں۔“ (رموز راشدیہ، ص: ۲۲، ۲۳)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بلند آہنگ، فصیح اللسان اور قادر الکلام خطیب تھے۔ قرآن و سنت سے مربوط بڑا عمدہ وعظ فرماتے اور دل نشین اسلوب میں قرآنی آیات اور احادیث رسول ﷺ کی تشریح فرماتے۔ ان کے وعظ کی اثر آفرینی سے ہزاروں لوگ متاثر ہوئے اور انھوں نے توحید و سنت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ علاقہ سندھ میں جہاں شاہ صاحب اقلیم علم میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے وہاں خطابت و تقریر اور وعظ و نصیحت میں بھی دور دور تک ان کا حریف نظر نہیں آتا۔ تقریر کی

عبداللہ قریوتی، شیخ حسن حیدر یمنی، شیخ علی عامر یمنی، شیخ حمزہ عبدالجید سلفی عراقی، ڈاکٹر بشار عواد، شیخ محمد احمد اسماعیل مصری، محمد موسیٰ نصر بحرین، شیخ ابوسعید الیربوزی ترکی، ڈاکٹر عبدالرحمن فریوای، شیخ ربیع بن ہادی مدخلی سعودی، ڈاکٹر عبدالحسن مدینہ منورہ، شیخ عمر بن محمد بن عبداللہ السبیل، شیخ ابوالحارث علی بن حسن الیانی، علامہ ارشاد الحق اثری، مولانا حافظ زبیر علی زئی، مولانا حافظ عبدالغفار اعوان، مولانا عبدالعزیز نورستانی، فضیلۃ الشیخ مولانا عبداللہ ناصر رحمانی، ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر وصی ندوی، مولانا عبدالقہار المعروف صاحبزادہ برق التوحیدی، مولانا عزیز شمس انڈیا اور مولانا محمد حسین ظاہری اوکاڑہ۔

جب کہ صوبہ سندھ سے تعلق رکھنے والوں میں مولوی محمد صالح گوپانگ، مولوی عبدالعزیز گوپانگ، مولوی فیض اللہ خاوانی، مولوی محمد عالم گوپانگ، مولوی عبداللہ نھریو، مولوی عبدالرزاق سیال، مولوی عزیز اللہ بگھیو، شیخ محمد موسیٰ، مولوی محمد قاسم خیل، مولوی محمد اسحاق خاص خیل، شیخ عبداللہ کندھ کوٹی وغیرہ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

اس فہرست میں قارئین کو بڑے بڑے نام دیکھنے کو ملیں گے۔ یہ وہ علمائے کرام ہیں جنھوں نے درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں جس سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علمی مقام اور تدریسی مہارت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

درس و تدریس کے بعد وعظ و تبلیغ کے میدان میں شاہ صاحب کو دیکھیں تو یہاں بھی ان کی تبلیغی مساعی کا دائرہ دور تک پھیلا دکھائی دیتا ہے۔ اور ہر سو ان کی خدماتِ بوقلموں کی خوش بوبکھری دکھائی دیتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اوائل عمر سے ہی اپنی خطابت کے جوہر دکھانے لگے تھے اور انھوں نے تبلیغی محاذ پر کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

”جب ہم فارسی پڑھ رہے تھے تو اس زمانے میں یہ انتظام تھا کہ ہر جمعرات کو ظہر کی نماز کے بعد تقریروں کی مشق کرائی جاتی تو مجھے یاد ہے کہ ایک مجلس میں میں نے سورہ اخلاص کا ترجمہ سنایا تھا۔ سب سے پہلی تقریر مجھے یاد ہے کہ جب میری



صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے اوائل عمر میں ہی ودیعت کردی تھیں اور ان کا شہرہ سندھ سے نکل کر دوسرے بلاد و امصار تک پہنچ گیا تھا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی گفتگو کا انداز کچھ ایسا تھا کہ مشکل ترین مسائل کی گرہیں خود بہ خود ان کے سامنے کھلتی چلی گئیں۔ وعظ خالص قرآن و حدیث کی روشنی میں کرتے جو فصاحت و بلاغت سے مزین اور حقائق و واقعات سے آراستہ ہوتا۔ سندھ کا علاقہ جو صدیوں سے شرک و بدعت کی سیاہ چادر میں لپٹا ہوا ہے اور جہاں پیری مریدی کا ایک وسیع جال بھی بچھا ہوا ہے، شاہ صاحب نے اس بنجر اور سنگلاخ علاقے کو اپنی دینی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ جب انھوں نے شرک و بدعات کے خلاف آواز حق بلند کی اور لوگوں کو توحید و سنت کی طرف بلایا تو صدیوں سے طاری جمود ٹوٹ گیا۔ پیر اور ان کے مرید آگ بگولہ ہو گئے اور انھوں نے منظم ہو کر شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مخالفت شروع کر دی اور ان کے خلاف محاذ قائم کر دیا ان کے خاندان کے بعض افراد بھی ان کی مخالفت پر اتر آئے اور کہنے لگے: اس نے حافظ کا دیوان پڑھا ہے، اس لیے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

مخالفت کی وجہ سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو مختلف طریقوں سے پریشان کیا جانے لگا۔ قتل کی دھمکیاں دی گئیں، دھمکی آمیز خط لکھے گئے، ان سے قطع تعلق بھی کیا گیا اور سرکار کے دربار میں بھی بات پہنچائی گئی۔ ان تکلیف دہ حالات کو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے انتہائی صبر کے ساتھ برداشت کیا۔

بالآخر مخالفین کی بڑھتی ہوئی شورش کے باعث انھوں نے یہ علاقہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور نیو سعید آباد کے قریب ”گوٹھ جھنڈا“ کے نام سے نئی بستی آباد کر لی۔ وہاں انھوں نے شان دار مسجد اور مدرسہ قائم کیا اور اپنی تبلیغ و تدریس میں پھر سے سرگرم ہو گئے۔ یہاں بھی مخالفین نے ان کو پریشان کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ رب العزت نے ہر معاملے میں شاہ صاحب کی مدد فرمائی اور مخالفین خاموش ہو گئے۔ جی چاہتا ہے کہ یہاں حضرت شاہ صاحب کی مجاہدانہ تبلیغی مساعی کے کچھ واقعات قارئین کے سامنے بیان کیے جائیں۔ یہ وہ خدمات ہیں جو شاہ

صاحب نے لومۃ لائیم کی پروا کیے بغیر لوجہ اللہ انجام دیں اور جرأت سے توحید و سنت کی ضیاء پاشیاں کیں:

○ ۱۹۷۰ء کے پس و پیش کی بات ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ ضلع دادو کے شہر میہڑ میں صرف ایک اہل حدیث ساتھی ہے۔ کسی جماعتی نے ان سے گزارش کی کہ وہ میہڑ ضرور تشریف لے جائیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ وہاں پہنچے۔ رات کو انھوں نے خالص توحید اور وسیلے پر تقریر فرمائی۔ ابھی ان کے وعظ کو ایک گھنٹہ ہی گزر رہا تھا کہ شہر کا چیئرمین غصے میں لال پیلہ آیا۔ پہلے تو اس نے شاہ صاحب رحمہ اللہ پر رعب ڈالنے کی کوشش کی، جب اس کا اثر نہ ہوا تو پھر لاؤ ڈسٹیکر بند کر دیا اور کہنے لگا: یہاں کوئی جلسہ نہیں ہو سکتا۔ حالات کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ اس موقع پر حکمت سے کام لیا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس واقعے کے چند روز ہی گزرے تھے کہ وہ چیئرمین اللہ کی پکڑ میں آ گیا۔ وہ ایک بڑے جرم میں گرفتار ہوا اور کافی عرصہ جیل میں قید رہا۔ اپنے ملاقاتیوں سے اقرار کیا کرتا تھا کہ میں نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو تقریر سے روکا تھا جس میں قرآن پڑھا جا رہا تھا۔ مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔

○ لاڑکانہ، سندھ کا معروف شہر ہے اور سیاسی اعتبار سے بھی اسے بڑی شہرت حاصل ہے۔ کسی دور میں یہاں اہل حدیث حضرات بہت کم تھے۔ اس شہر میں جب پہلی بار شاہ صاحب کا تبلیغی پروگرام انعقاد پذیر ہوا تو علاقے کے پیر اپنے مریدوں کو سمجھاتے رہے کہ ان کے جلسے میں نہ جانا، یہ معاذ اللہ گستاخ رسول علیہ السلام ہیں اور اولیاء کے دشمن ہیں، ان کی تقریر سنو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اس پروپیگنڈے سے جماعتی احباب کچھ پریشان اور مایوس ہوئے کہ کہیں جلسہ ناکام نہ ہو جائے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے جماعتی احباب کی پریشانی دیکھ کر انھیں تسلی و تشفی دی کہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس پروپیگنڈے کی بنا پر لوگ زیادہ آئیں گے اور بعض اس لیے آئیں گے کہ دیکھیں کس قسم کی



گستاخیاں ہوتی ہیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس باغ میں جلسہ ہو رہا تھا وہ سارا بھر گیا اور کوئی ناخوش گوار واقعہ بھی نہیں ہوا۔ اس کے بعد علاقے کے بہت سے لوگ اہل حدیث کو اچھا سمجھنے لگے اور پیروں کے پروپیگنڈے کو محض تعصب پر مبنی سمجھا۔ یہ سب شاہ صاحب رحمہ اللہ کے وعظ کی اثر آفرینی تھی کہ جس سے لوگوں نے اثر قبول کیا اور اہل حدیث کے قریب آئے۔

○ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علاقے میں ہی ایک جمالی بلوچ کا گاؤں ہے جو محمد عثمان جمالی صوبے دار کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں کچھ جماعتی احباب موجود تھے، ایک بار ان کی دعوت پر شاہ صاحب رحمہ اللہ اس گاؤں پہنچے۔ گاؤں میں اکثریت اہل حدیث کی تھی اس کے باوجود مسجد میں تقریر کا پروگرام رکھا گیا لیکن اہل بدعت نے مسجد میں بھی پروگرام کرنے سے منع کر دیا اور لاٹھیاں کھانٹیں اور وغیرہ لے کر مسجد میں جمع ہو گئے۔ ادھر شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ساتھی بھی لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے کہ تقریر مسجد میں ضرور ہوگی، آج ہماری قربانی کا دن ہے۔ اس موقع پر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے انھیں لڑائی جھگڑے سے منع کیا اور صبر کی تلقین کی۔ انھیں محبت و پیار سے سمجھایا کہ ہمارا کام دعوت دینا ہے، لڑائی جھگڑے سے ہماری دعوت اور ہمارا مشن متاثر ہوگا۔ جماعتی احباب سمجھ گئے۔ حاجی خان محمد صاحب جو اسی گاؤں کے رہنے والے تھے اور جماعت سے گہری محبت رکھتے تھے، انھوں نے اپنا گھر خالی کر کر وہاں شاہ صاحب رحمہ اللہ کا خطاب کروایا۔ بعض مخالفین بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر سننے آئے۔ اس واقعے کا بہت اچھا تاثر قائم ہوا اور کئی لوگ راہِ راست پر آ گئے اور جماعت نے وہاں خاصی ترقی کی اور مخالفت کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد اس گاؤں میں کئی دینی تبلیغی جلسے ہوئے۔

○ ایک بار شاہ صاحب رحمہ اللہ ٹنڈو غلام علی گاؤں میں مولوی حبیب اللہ کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ وہاں چند میروں کے گھر بھی تھے، انھوں نے کہا کہ یہاں کوئی جلسہ نہیں ہوگا، اگر کسی نے

کوشش کی تو اس کا بُرا حشر ہوگا۔ اس دور میں ٹنڈو غلام علی کے لیے حیدر آباد سے ایک ہی بس دن میں جاتی تھی۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ حسب وعدہ بروقت اس پروگرام میں پہنچے اور تو حیدر پر بڑا جامع خطاب فرمایا اور آخر میں کہنے لگے: اگر یہ میر ہیں تو ہم پیر ہیں۔ آ جاؤ! جس نے مقابلہ کرنا ہے، میں آج رات یہیں ہوں لیکن پھر کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فقط گفتار کے غازی نہ تھے بلکہ انھوں نے اپنے عمل و کردار سے اپنی مجاہدانہ تگ و تاثر کا مظاہرہ کیا اور انھوں نے علاقہ سندھ کے بعض مقامات سے شرک و بدعات کے اڈے ختم کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ بڑا مشکل اور کٹھن مرحلہ تھا جسے انھوں نے اپنے رفقاء سمیت بڑی جرأت و دانش مندی سے عبور کیا۔ اس سلسلے کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

○ ٹنڈو مٹھا خاں ضلع ساٹکھڑ کا شہر ہے۔ اس کے نواح میں ایک گاؤں ”مہرجی بھٹ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس گاؤں میں ٹیلے پر ایک شخص نے مصنوعی قبر بنا رکھی تھی اور وہ لوگوں کو کہتا تھا کہ یہاں ایک ولی اللہ دفن ہے۔ لوگ اس مصنوعی قبر کی پوجا کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور شرک و بدعت کے کام کرتے تھے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچے اور اس شخص کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانا۔ اب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس شخص سے مخاطب ہو کر یہ آیت پڑھی:

﴿وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿﴾

[طہ: ۹۷، ۹۸]

”اور اپنے معبود کو دیکھ جس پر تُو مجاور بن رہا، یقیناً ہم اسے ضرور اچھی طرح جلا دیں گے، پھر یقیناً اسے ضرور سمندر میں اڑا دیں گے، اڑانا اچھی طرح۔ تمہارا معبود تو اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔“

اور پھر اس جعلی قبر کو مسمار کر دیا گیا اور وہ مجاور بیٹھا روتا رہا۔ اس طرح ہمیشہ کے لیے وہاں یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔

○ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں کے قریب ایک قبرستان ہے، وہاں ایک مزار ہے جو شاہ عبدالرحمان نامی کسی بزرگ کی طرف منسوب ہے۔ اس مزار پر ہر مہینے کی چودھویں رات کو میلہ لگنے لگا اور جن جادو کے علاج کے بہانے عورتیں بھی جمع ہونے لگیں۔ یہاں شرک و بدعت کے ساتھ عریانی و فحاشی کا بھی دور دورہ تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس صورت حال کی خبر ہوئی تو وہ طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں اجتماع والی رات پہنچ گئے۔ اجازت لے کر انھوں نے دو گھنٹے تو حید کے اثبات اور شرک و بدعات اور غیر شرعی رسوم اور ایسے میلوں میں پائی جانے والی خرافات کے خلاف سخت تقریر کی۔ اسے سن کر اس اجتماع کا منتظم بھڑک اٹھا اور اُس نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سخت بُرا کہا۔ شاہ صاحب خاموشی سے اس کی سنتے رہے اور اسے مسائل سمجھاتے رہے۔ بالآخر وہ لڑائی پر اُتر آیا اور ادھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی بھی لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب اس نے یہ تیور دیکھے تو اس پر عرب چھا گیا اور اس میں لڑنے کی ہمت نہ رہی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا اثر یہ ہوا کہ جہاں کئی لوگ تابع ہوئے وہیں ایک شخص جو ہر مہینے چودھویں رات کو ذبح کے لیے گائے پیش کرتا تھا، اس نے بالکل توبہ کر لی اور گائے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہاں کوئی اجتماع نہیں ہوا۔ اس واقعے کو پچاس سال کا عرصہ ہو چلا ہے اور مکمل سکون ہے۔

○ ضلع ساگھڑ میں ایک بہت بڑے پیر نے مریدوں کو اپنی زیارت کروائی۔ مریدوں نے اس جگہ پر باڑ لگوا دی اور اس جگہ کی تعظیم ہونے لگی۔ لوگ اس جگہ کو تبرک جان کر یہاں نوافل پڑھتے اور دعائیں مانگتے اور اس جگہ کو قبولیت دعا کا باعث جانتے۔ ایک بار شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ادھر سے گزر ہوا تو لوگوں نے حقیقت حال بتائی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت عمامتی ساتھیوں کو اس باڑ کے جلانے کا کہا اور پھر اسے جلا دیا گیا۔ اس پر پیر صاحب کے

مرید بہت ناراض ہوئے اور انھوں نے کئی سنگین ارادے بھی کیے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کو نال دیا۔

○ ٹنڈوالہ یار، حیدر آباد کا ایک شہر ہے۔ اس کے قریب ایک مزار ہے جو ”گاڑھو (سرخ) صدر“ کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں میلہ لگتا ہے، عورتیں جمع ہوتی ہیں اور کافی پوجا پاٹ ہوتی ہے۔ اس کے قریب ایک گاؤں کا وڈیرہ اہل حدیث ہو گیا۔ اس کی دعوت پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی بار اس کے گاؤں تقریر کے لیے گئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ سننے اس مزار والے گاؤں سے بھی لوگ آ جاتے تھے۔ انھوں نے فرمائش کی کہ ان کے ہاں بھی تبلیغی پروگرام رکھا جائے، چنانچہ سالانہ عرس کے دن وہاں پروگرام رکھا گیا۔ جب وہاں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانے کا اعلان ہوا تو مزار کے محافظ وڈیروں کی طرف سے دھمکیاں ملنی شروع ہو گئیں اور ان لوگوں نے پروگرام کے موقع پر بہت سے مسلح لوگ جمع کر لیے۔ تو حید و سنت کی برکات دیکھیے کہ جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے اور ان کی تقریر شروع ہوئی تو کسی کو بھی حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہی حملہ آور قریب بیٹھ کر شاہ صاحب کی تقریر سنتے رہے۔ اور پروگرام کے بعد ان کے بعض افراد نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کی اور حق کی شہادت دی کہ حق یہ ہے جو اس مولوی نے کہا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ انھوں نے تو حید و سنت کے لیے اپنی جان کی بھی پروا نہ کی اور مصائب و آلام جھیل کر حق بیان کیا۔ کئی بار ان پر جھوٹے مقدمے بنائے گئے، انھیں مختلف طریقوں سے پریشان کرنے کی کوشش کی گئی، قتل کی سازشیں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔

○ کراچی نئی کمری میں ایک بار رات کے وقت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب تھا۔ تقریر شروع ہوئی تو کچھ دیر بعد ایک آدمی مجمع میں آیا۔ مقامی جماعت کے لوگوں نے اس کو مشتبہ سمجھ کر پکڑ لیا، تلاشی لی گئی تو پستول برآمد ہوا۔

## حضرت مولانا ابوبکر صدیق السلفی رحمۃ اللہ علیہ

صدر دارالدعوة السلفیہ، لاہور

ماضی قریب کے علمائے اسلاف کے حالات بہت ہی کم ملتے ہیں جو ملتے ہیں وہ بھی مختصر بلکہ مختصر ترین۔ جس کی وجہ ان کی للہیت اور قبول پسندی تھی۔ ہمارے یہ اسلاف ریاکاری، شہرت اور نمود و نمائش سے اس قدر محترز بلکہ خائف رہے کہ ان کے خاندان، تلامذہ اور حتیٰ کہ وہ اپنے فیض یافتگان کو بھی اپنے حالات بتانے سے اس لیے گریز کرتے رہے کہ کہیں خود ستانی کا شائبہ نہ آجائے۔

اللہ بھلا کرے اور ان کو صحت مند زندگی عطا فرمائے، مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کا کہ انھوں نے جماعت اہل حدیث میں شخصیت نگاری کی ریت ڈالی اور ان کے شگفتہ و رواں دواں قلم سے بیسیوں علماء اہل حدیث کے تذکرے جیسے تخریر میں آگئے۔

جماعت کے گوشہ نشین ایک جید عالم دین، عمدہ و مؤثر خطیب، مترجم اور مفسر قرآن..... کہ انھوں نے کئی سال قبل موضع القرآن کی تسہیل کی تھی..... مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ کے با اعتماد شاگرد دارالدعوة السلفیہ کے صدر گرامی مولانا ابوبکر صدیق السلفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنھوں نے گورنمنٹ اسلامیہ ہائی اسکول (مصری شاہ) میں تدریس شروع کی اور ایک ہی اسکول اور ایک ہی مسجد میں ساری زندگی گزار دی۔ مولانا نے اسکول کی تدریس کے علاوہ مسجد نجم اہل حدیث (حاطہ تھانیدار) میں خطابت بھی فرمائی اور ترجمہ قرآن کی مسلسل تدریس کے ذریعے سینکڑوں طلباء کو تعلیم دین سے آشنا بھی کیا اور ان کی عملی تربیت بھی کی۔ راقم الحروف نے تقریباً پانچ سال کی عمر میں ان سے سختی لکھنی سیکھی، اردو کی شد بد حاصل کی اور ساتھ ہی کچھ پہاڑے بھی یاد کیے۔

الاعتصام کے مخلص خدمت گزار برادر گرامی مولانا محمد سلیمان انصاری رحمۃ اللہ علیہ جو ۱۹۵۷ء میں عزیز مسجد اہل حدیث مصری شاہ میں بہ طور خطیب تشریف لائے اور پوری عمر یہیں گزار کر ۱۹۹۸ء میں اسی مسجد سے سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ اسلامیہ ہائی اسکول (مصری شاہ) چونکہ عزیز مسجد کے قریب ہی تھا۔ مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے متخلص میٹر عزیز م حافظ عبدالقیوم انصاری سلمہ اللہ نے جب حفظ قرآن مکمل کر لیا تو پھر عصری..... یعنی سکول کی..... تعلیم کے لیے مولانا انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مولانا سلفی رحمۃ اللہ علیہ کے دامن تربیت میں دے دیا مولانا سے ترجمہ وغیرہ پڑھ کر انھوں نے جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ سے درس نظامی تکمیل کی۔ جس کے بعد وہ ماشاء اللہ بعض مدارس میں تدریس بھی کرتے رہے اور بعض مساجد میں خطابت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے۔ اور آج کل وہ دارالدعوة السلفیہ میں بعض علمی امور میں مصروف ہیں۔ میں نے ایک دن ان کو..... اپنے اور ان کے..... استاذ گرامی کے حالات قلم بند کرنے کا مشورہ دیا تو انھوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کردہ خودنوشت کو ترتیب دے کر مولانا کی خدمت میں پیش کیا اور ان سے اجازت لے کر ان کی خودنوشت اسی اشاعت میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ (احمد شاہ)

### ولادت:

سکول سرٹیفیکیٹ کے مطابق میری ولادت یکم فروری ۱۹۲۶ء، موضع کرمہ جو چار پانچ ہزار کی آبادی تھی، میں ہوئی۔ موضع کرمہ تحصیل وضلع فیروز پور کا اہم گاؤں تھا جو مڈوٹ روڈ پر مڈوٹ شہر اور (مرکز علوم دینیہ) لکھو کے کے درمیان چار چار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا جہاں ارائیں برادری کی اکثریت تھی۔

والدہ ماجدہ مرحومہ کا بیان ہے کہ تم بچپن میں شدید بیمار ہو گئے تھے۔ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے۔ کوئی تمھیں اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا۔ تمھاری زندگی سے ناامید ہو گئے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ آج گئے یا کل۔ تمھارے والد ماجد (مرحوم) اس صورت حال کے باوجود لکھو کے

گئے اور مولانا محمد علی لکھوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملے۔ ان کے دم سے اللہ نے مہربانی کی اور تم تندرست ہو گئے۔ گھر میں والد مرحوم اور بڑے بھائی اگرچہ ناخواندہ تھے مگر نمازی تھے۔ مسجد کے ساتھ تعلق تھا۔ مجھے بھی بھائی بچپن میں مسجد میں لے جایا کرتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بچپن سے ہی مسجد کے ساتھ تعلق قائم ہوا جو الحمد للہ بڑھاپے میں بھی قائم ہے۔ سکول میں داخلہ:

گاؤں میں لوئر مڈل سکول کی سہولت تھی اور مجھے سکول میں داخل کر دیا گیا۔ پرائمری جو چار کلاس پر مشتمل ہوتی تھی کے بعد میں ممتاز طلباء میں پوزیشن ہولڈر تھا۔ لوئر مڈل سکول یعنی چھٹی کلاس کی تکمیل پر آگے تعلیم کی خواہش تھی۔ چنانچہ میں نے لکھو کے مڈل سکول میں

داخلے کے لیے اصرار کیا مگر والد مرحوم نے مسئلہ سنا ہوا تھا کہ بچے کو دینی تعلیم دلانے پر والدین کو جنت میں نورانی تاج پہنایا جائے گا۔ والد مرحوم چاہتے تھے میں عالم بنوں مگر میرا اصرار دنیوی تعلیم پر تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میرے ہندو پڑوسی شام لال جو عمر میں مجھ سے بڑے تھے کہنے لگے بھئی میں نے سنا ہے تم اپنے والد کی بات نہیں مانتے۔ دینی تعلیم کی بجائے دنیاوی تعلیم پر مصر ہو؟

میں شرمندہ ہو کر رہ گیا کہ ایک غیر مسلم مجھے والد کی نافرمانی کا طعنہ دے رہا ہے۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ والد مرحوم کی بات مان لینی چاہیے۔ گھر آ کر میں نے والد مرحوم سے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ والد صاحب نے فرمایا: بس مسجد میں جا کر مولانا شمس الدین (مرحوم) سے ترجمہ قرآن پڑھو۔ اس طرح میری دینی تعلیم کا آغاز ہوا۔ دینی تعلیم:

میں نے ابواب الصرف، کچھ ترجمہ قرآن، صرف بہائی اپنے استاد مولانا شمس الدین صاحب سے پڑھی۔ مولانا شمس الدین نہایت ذہین اور طبیب قسم کے عالم تھے۔ لوگوں کی دینی تعلیم و تربیت کے ساتھ خانگی اور معاشرتی مسائل بھی حل کرا دیتے تھے۔ وہ مولانا عبدالرحمن بڈھی مالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واسطے سے میاں سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

اگلے سال مولانا حافظ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں جو ضلع امرتسر کے ایک گاؤں جو دریائے ستلج کے کنارے آباد تھا، پہنچ گیا۔ وہیں صرف میر، نحو میر، بلوغ المرام، ترجمہ قرآن، دستور المبتدی، زراعی وغیرہ کتب پڑھیں۔

پھر جگڑاؤں جو ضلع لدھیانہ کا بڑا شہر تھا، کے دیوبندی مدرسے میں داخل ہوا۔ وہیں نور الایضاح، رسالہ منطق، مفید الطالبین، ابوالحسن علی ندوی کی سیرت پر عربی زبان میں کتاب پڑھی۔ لیکن وہاں کا انتظام نہایت ناقص تھا۔ کھانے کا بہتر انتظام نہ تھا۔ پچاس ساٹھ طلباء کے لیے ایک کمرہ تھا۔ مسجد زیر تعمیر تھی۔ وہاں کے بڑے استاد مولانا عبداللہ شام کوٹ تھے اور مولانا محمد ابراہیم مہتمم جو پاکستان بننے کے بعد میاں چنوں میں آباد ہو گئے تھے۔

اگلا مقام ”مدرسہ صادقہ عباسیہ“ منچن آباد ریاست بہاول پور ہوا۔ تقریباً چھ ماہ وہاں گزارے۔ مولانا خان محمد سے ہدایہ التجو اور صدر مدرس مولانا غلام مرتضیٰ صاحب سے منطق پڑھی۔ وہاں سے کسی وجہ سے نکلتا ہوا منڈی صادق گنج میں ریلوے اسٹیشن کے پاس مولانا محمد رمضان صاحب سے قدوری منیۃ المصلیٰ وغیرہ پڑھیں۔ مولانا صاحب کے صاحب زادے میرے ہم سبق تھے اور مجھ سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۴۲ء میں جامعہ نذیریہ فیروز پور میں داخلہ لیا جہاں طلباء سے محبت کرنے والے میرے مربی استاد مولانا ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ یہاں کافہ، دستور المبتدی، زراعی، منشی الاخبار، مشکاة وغیرہ کتب پڑھیں۔ ۱۹۴۳ء میں دلی کا رخ کیا اور مسجد کلاں میں قیام کیا۔ دلی کا لال قلعہ، شاہی مسجد اور دیگر مقامات کی سیر کی۔ مشہور اہل حدیث مدرسہ ”جامعہ رحمانیہ“ دیکھا، میاں نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ ہل بنگش دیکھا۔ مدرسہ دارالکتب والسنة غرباء اہل حدیث کی زیارت کی۔

دلی طلباء کا مرکز تھا۔ باہر کے مدارس کے اساتذہ دلی میں طلباء کو ترغیب دے کر اپنے مدارس میں داخل کرتے تھے۔ ہمیں بھی آگرہ کے مولوی صاحب نے تیار کیا۔ لیکن اسی دوران حضرت شیخ الحدیث ابو محمد عبدالجبار کھنڈیلوی سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مشکاة شریف کا مقدمہ سنا جس سے ہم متاثر ہوئے اور ان کے مدرسہ مصباح العلوم کھنڈیلہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ مولانا اور ان کے بیٹے فوراً تیار ہو گئے اور چھوٹی ریل کے ذریعے کاؤنٹ سٹیشن پر رات کے قریب پہنچے اور اونٹوں پر سوار ہو کر رات کو دس بجے کے قریب کھنڈیلہ شہر داخل ہوئے۔ اس زمانے میں اونٹ پر ایک سواری کا کرایہ تین روپے تھا جو شاید آج کل کے اڑھائی تین صد روپے کے برابر ہوگا۔ کھنڈیلہ کو جانے کے لیے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا نہ موٹر تانگہ یا ریل۔ سارا علاقہ خشک پہاڑی ہے۔

مدرسے میں تین اساتذہ کرام تھے۔ شیخ الحدیث مولانا ابو محمد عبدالجبار کھنڈیلوی، ان کے صاحب زادے عبدالملک اور ایک بنگالی جس کا نام حافظے میں نہیں رہا۔ سارے اسباق مشکاة ثانی، نسائی شریف، شرح جامی، جامع ترمذی وغیرہ حضرت مولانا شیخ الحدیث ابو محمد



پڑھنے آئے تھے، میرے مشورے سے وہ بھی میرے ساتھ امرت سر مدرسہ غزنویہ میں مولانا نیک محمد محدث کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ دورانِ تعلیم شروحات کے مطالعے کے بعد وہ عامل بالحدیث ہو گئے تھے۔ مدرسہ غزنویہ میں میرے ہم سبق مولانا حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی، حافظ فضل کریم، حافظ بشیر احمد بھوجیانی، عبدالرحمن ڈلہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ مدرسہ میں چار استاد تھے: مولانا نیک محمد محدث جو سامسمی تھے، مولانا عبداللہ بھوجیانی، مولانا عبدالرحیم بھوجیانی یہ دونوں بھائی تھے۔ جید عالم بہترین استاد تھے۔ قیام پاکستان کے دوران شہید ہو گئے تھے۔ مولانا محمد حسین ہزاروی یہاں سنن ابوداؤد حماسہ مندی، مرقات، تلخیص مختصر معانی، شرح تہذیب صحیح مسلم کا ربح اول وغیرہ کتب پڑھیں۔

مدرسہ غزنویہ کے مہتمم مولانا سید محمد داؤد غزنوی تھے جو ان دنوں کراچی، نہایت حسین و جمیل نوجوان تھے اور کانگریس کمیٹی پنجاب کے صدر تھے، جن کی حیثیت صوبائی گورنر سے کسی طرح کم نہ تھی لیکن پھر بھی وہ جب تشریف لاتے تو مسجد میں رات بسر کرتے۔ ہم ان کی خدمت کرتے۔ آپ چاہتے تو کانگریس کی دولت آپ کی دسترس میں تھی۔ آپ شاندار کوٹھی بنا سکتے تھے اور بڑا کاروبار بھی لیکن امانت و دیانت کی مثال ہے کہ آپ فقیر رہے، مسجد کے چھوٹے سے مکان میں زندگی گزار دی۔ امرت سرہی میں مولانا مودودی سے ہسپتال میں جو گردے کی تکلیف سے تھے، ملاقات کی وہ جوان تھے، سیاہ بخشی ڈاڑھی تھی۔

وہ زمانہ سیاسی ہنگامہ خیزیوں کا تھا۔ ۱۹۴۶ء کے الیکشن سر پر تھے۔ سب سیاسی جماعتیں زور شور سے جلسوں جلسوں کے ذریعے اپنی قوت کا اظہار کر رہی تھیں۔ ایک رات جب کہ مسجد غزنویہ میں نماز عشا کی جماعت ہو رہی تھی مسلم لیگ کا جلوس آیا اور نہایت ہی شراکیز فرقہ وارانہ نعرے بازی شروع کی۔ اسی دوران جلوس کے کچھ لوگ جو توں سمیت مسجد میں گھس آئے اور طلباء سے لڑائی شروع کر دی۔ اسی ہنگامے میں ایک پٹھان طالب علم نے بڑھ کر نوجوان کے پیٹ میں چاقو سے حملہ کر کے سخت زخمی کر دیا۔ اس پر جلوس بھاگ گیا فوراً طلباء کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کر دیا گیا جو سال بھر چلتا رہا۔ آخر کار جب مولانا سید محمد داؤد غزنوی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تو سکھ

عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے۔ طلباء کا دوپہر کا کھانا مختلف گھروں سے آتا تھا۔ میں نے شام کا کھانا خود تیار کرنا ہوتا تھا جس کے سات روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ آپ کے صاحب زادے مولانا قاری عبدالخالق رحمانی جو بڑے عالم اور خطیب تھے، آگرہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے، وہ جب آتے تو خوب گہما گہمی رہتی۔ ایک سال کھنڈیلے میں گزارا۔ حضرت الاستاد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ والدہ ماجدہ نے کھانے کے لیے بخیری اور دوسرا سامان بھیجا تھا۔

کھنڈیلہ مدرسہ کی شاندار بلڈنگ پہلی دفعہ دیکھی۔ مسجد ذرا دور ہے جسے بنگال والی مسجد کہتے تھے۔ وہاں پہلی بار خنزیر دیکھے جو عام کتوں کی طرح گلیوں، میدانوں میں پھرتے تھے۔ بندر اور لنگور بھی ٹولیوں کی صورت میں گھروں کی چھتوں پر دوڑتے پھرتے تھے۔ وہاں کسی پرندے کا شکار جرم ہے۔ غالباً ۴۴ میں وہاں ایک عظیم الشان اہل حدیث کانفرنس ہوئی تھی جس میں پنجاب دلی وغیرہ کے علماء شریک تھے۔ پنجاب کے علماء میں حافظ عبداللہ روپڑی، حافظ عبدالقادر روپڑی، حافظ محمد اسماعیل روپڑی، مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا احمد الدین لکھنوی وغیرہ مدعو تھے۔ کانفرنس تین روزہ تھی۔ خوب کامیاب رہی۔ حافظ محمد اسماعیل روپڑی کی تقریر سب سے زیادہ پسند کی گئی۔ بریلوی مسجد کے سامنے بھی جلسہ ہوا۔ حافظ محمد اسماعیل روپڑی کی بہترین اور مولانا احمد الدین لکھنوی کی عیسائیت پر تقریر شاندار تھی۔

کھنڈیلہ شہر کے پاس ہی خالص مسلمان آبادی تھی کہا جاتا تھا کہ یہاں امام مہدی کی قبر ہے۔ وہاں گائے کی قربانی کرتے تھے۔ خواتین پردے کی سخت پابند تھیں۔ ہم طلباء نے بھی ایک بار اس آبادی کا چکر لگایا تھا۔

۱۹۴۵ء میں حضرت الاستاد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے مشورے سے گوجرانوالہ جامعہ محمدیہ چوک نیائیں میں پہنچ گیا۔ وہاں پہلے مولانا عبدالرحیم فاضل رحمانیہ دہلی پڑھاتے تھے۔ اس سال وہ امرت سر مدرسہ غزنویہ میں تشریف لے گئے۔ اپنے وہاں کے ایک ساتھی محمد حسین جو مولوی فاضل دیوبندی مسلک کے تھے، حافظ محمد گوندلوی کے پاس



کے بعد تک چلتا رہا۔ مدرسہ غزنویہ کے طلباء کا کھانا شہر کے مختلف دور و نزدیک کے گھروں سے آتا تھا وہ بھی بند ہو گیا۔ تعلیم ختم ہو گئی۔ آمد و رفت کے ذرائع ختم ہو گئے۔ کرفیو لگ گئے۔ کرفیو کے وقفے میں ہم وہاں سے بھاگ کر اپنے گھر پہنچ گئے۔

ان ہنگامہ خیزیوں کے دوران پتا چلا کہ مولانا حسین احمد مدنی ریل کے ذریعے یہاں سے لاہور کے لیے گزریں گے۔ ان کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لیے مسلم لیگ کے رضا کار سٹیشن پر نعرہ بازی کر رہے تھے۔ جس ڈبے میں مولانا تھے وہ پوری طرح بند تھا۔ کوشش کے باوجود رضا کار ان تک نہ پہنچ سکے۔ ہنگامہ فرو ہوا ہم طلباء مدرسہ غزنویہ ان سے بڑی مشکل سے ملے۔ وہ ڈرے ہوئے تھے اور مشکل سے معمولی سامنا کیا۔

مجسٹریٹ نے کہا اب تو تمہیں صلح کر لینی چاہیے۔ چنانچہ صلح ہو گئی۔ میرا نام بھی نامزد ملازموں میں تھا جس کا خمیازہ میں بھی بھگتنا پڑا۔ میرے ہم جماعت بڑے بڑے حفاظ تھے: حافظ محمد تنکی عزیز، حافظ بشیر احمد بھوجیانی، حافظ فضل کریم رحمۃ اللہ علیہ، جولا نٹ فائق تھے لیکن سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن مجھے ملی۔ انعام میں رحمۃ للعالمین، کریم اللغات وغیرہ ملیں جو سیاسی ہنگامہ خیزیوں میں ضائع ہو گئیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون مسلم لیگ کی الیکشن میں کامیابی کے بعد ۱۹۴۶ء میں امرت سر میں خاص طور پر زبردست فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا کر مکینوں سمیت بھسم کر دیا گیا۔ سکھ ایک جنگجو قوم ہے۔ ہتھیار پاس رکھنا ان کا مذہبی شعار ہے۔ اس سے انھوں نے مسلمانوں کے خلاف خوب کام لیا۔ مسلمان نہتے تھے اس لیے مار کھاتے رہے۔ آخر کار پورے امرت سر کے مسلمان شریف پورے میں جو مسلمانوں کا گڑھ تھا، جمع ہو گئے۔ یہ سلسلہ فسادات ۴۷

### بقیہ: فلسفہ الہیات اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ

معقولات کا ماہر اونیٹ باندھنے کی طرح (بے اہمیت) ہے اور جہان کے اکثر لوگوں کی کوششیں بے کار ہیں۔ اور ہماری روحیں ہمارے جسموں سے وحشت میں ہیں۔ اور ہماری دنیا کا حاصل تکلیف اور وبال ہے۔ ہم نے لمبی عمروں کی بحثوں سے سوائے قیل و قال جمع کرنے کے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ اور کتنے ہی ہم نے لوگ اور شہر دیکھے جو سب جلدی زائل اور ہلاک ہو گئے۔ اور کتنے پہاڑ دیکھے جن کی بلند یوں پر لوگ بلند ہوئے اور زائل ہو گئے جب کہ پہاڑ اسی طرح باقی ہیں۔“ (جاری ہے)

### بقیہ: افتاء

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”أَي إِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً أَوْ اثْنَتَيْنِ فَأَنْتَ مُخِيرٌ فِيهَا مَا دَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِيَةً بَيْنَ أَنْ تَرُدَّهَا إِلَيْكَ نَاقِيَةً أَوْ إِصْلَاحَ وَالْإِحْسَانِ إِلَيْهَا وَبَيْنَ أَنْ تَتْرُكَهَا حَتَّى تَنْقُضِيَ عِدَّتَهَا فَتَبِينَنَّ مِنْكَ.“ (تفسير ابن كثير: ۱/ ۲۷۲)

”جب تو ایک طلاق یا دو طلاقیں دے بیٹھے تو عدت پوری ہونے تک تجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ یا عورت کے ساتھ احسان کرنے اور اسے آباد کرنے کی نیت سے رجوع کر لے اور یا اس کو چھوڑ دے تاکہ عدت پوری ہونے کے بعد وہ تیرے حوالہ عقد سے نکل جائے اور اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔“

خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئلہ میں رجوع جائز ہے۔ ظن غالب کے مطابق پہلی صورت کے مطابق دو طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور دوسری صورت کے مطابق ایک طلاق واقع ہو چکی ہے۔ پہلی صورت پر ثناء اللہ ایک طلاق کا مالک ہے اور تیسری صورت میں دو طلاقیں کا مالک ہے۔ یہ جواب بہ شرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے، مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔

## خطیب اسلام مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی رحمۃ اللہ علیہ جوار رحمت میں

مسک اہل حدیث کے ممتاز خطیب، مبلغ تو حید و سنت، حضرت مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بعارضہ جگر کچھ عرصہ علالت کے بعد ۲۸ فروری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات بہ عمر ۶۳ برس لاہور ہسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی رحمۃ اللہ علیہ مسک اہل حدیث کے داعی، تو حید و سنت اور مسک محدثین کے بے باک ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے علاقے ضلع رحیم یار خاں کی اہم سیاسی و سماجی شخصیت اور مذہبی راہنما بھی تھے۔

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ محمدیہ اہل حدیث گوجرانوالہ میں دینی تعلیم مکمل کی۔ بعد ازاں مختلف علاقوں میں خطابت و تدریس کرتے ہوئے ضلع رحیم یار خاں کے علاقے خان پور تشریف لے گئے۔ یہاں انھوں نے ایک عظیم دینی درس گاہ قائم فرمائی۔ یہ غالباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے۔ اس درس گاہ کا نام انھوں نے اپنی مادر علمی گوجرانوالہ کے نام پر جامعہ محمدیہ اہل حدیث (خان پور) تجویز فرمایا۔ یہاں مسک اہل حدیث کی تبلیغ و ترویج کے لیے انھوں نے دن رات ایک کیا۔ عظیم جلسے اور کانفرنسیں منعقد کرتے اور کئی کئی گھنٹے علمی گفتگو فرماتے۔ ان کی گفتگو سے بہت سے لوگوں نے دعوت قرآن و حدیث کو قبول کیا اور عمل بالحدیث پر کاربند ہو گئے۔

گزشتہ ۳۶ برس سے قاری صاحب موصوف جامعہ محمدیہ اہل حدیث خان پور میں آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس منعقد کرتے چلے آ رہے تھے۔ یہ کانفرنس تین روزہ ہوتی اور بڑے تزک و احتشام سے منعقد ہوتی تھی جس میں ملک و بیرون ملک کے ممتاز علماء، خطباء، شیوخ الحدیث، مقررین اور عرب ممالک کے معزز مہمانوں کے علاوہ سرکردہ شخصیات اس کانفرنس میں شرکت فرماتیں۔ اس مرتبہ ۲۰۱۳ء کے مارچ میں بھی کانفرنس کا انعقاد ہونا تھا مگر قاری صاحب بہ عارضہ جگر شدید علیل ہو گئے۔ بہت علاج ہوا۔ بیرون ملک علاج کے لیے بھی جانا تجویز ہو رہا تھا مگر مشیت ایزدی سے نہ جاسکے۔ بالآخر لاہور ہسپتال میں اپنے مالک حقیقی کے پاس چلے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی وفات سے خطابت و تبلیغ کا ایک باب بند ہو گیا۔ آپ مسک اہل حدیث اور جماعت اہل حدیث کے سربراہ و ردہ فرد ہی نہیں بلکہ اپنی ذات میں انجمن اور گلستان تو حید و رسالت کے ایک مہکتے پھول تھے۔ اپنے علاقے ہی میں نہیں بلکہ پورے ملک میں آپ کی وفات حسرت آیات پر غم محسوس کیا گیا۔ آپ کا جنازہ آبائی گاؤں ہری پور ہزارہ ایبٹ آباد میں ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں علمائے کرام، اہل علاقہ و دیگر شہروں سے لوگوں نے شرکت کی۔ کئی شہروں میں غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام بھی ہوا۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حسنات قبول اور لغزشوں سے درگزر فرمائے، نیز ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ جامعہ محمدیہ خان پور کو تادیر قائم و دائم رکھے اور اس کا فیض جاری رہے جو یقیناً قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا، آمین۔

کارکنان ادارہ الاعتصام و دار الدعوة السلفیہ کے اراکین قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت و بلندی درجات کے لیے دعا گو ہیں۔

اللہم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه .

(ادارہ)